ISSN:2410-535X

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی کے طلبہ کا ترجمان

سہ ماہی جستجو

شمارہ ۳

گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی فیصل آباد

ہدایات برائے مقالہ نگاران

سہ ماہی ''جستجو'' کے لیے تحریر بھیجنے والے سکالرز درج ذیل ہدایات کی پابندی کریں۔

متنِ مقالہ:

۱۔ مضمون مکمل طور پر باحوالہ اور تحقیق کے اصولوں کے مطابق ہو، متنازع، جانبدارانہ یا فرقہ وارانہ نوعیت کا نہ ہو۔

۲۔ براہِ راست اقتباسات کم سے کم ہوں، حاصلِ مطالعہ کو اپنے لفظوں میں، لیکن درست مفہوم کے ساتھ بیان کرنے کی بھرپور مشق کریں۔

۳۔ حتی الوسع بنیادی مصادر سے ہی استفادہ کیا جائے، ثانوی ماخذ صرف انتہائی مجبوری (اصل کتاب نہ ملنے کی صورت) میں بروئے کار لایا جائے۔

۴۔ پہلا پیراگراف تعارف و تمہید کا سا انداز لیے ہوئے ہو اور آخری پیراگراف کا انداز' خلاصہ اور بیانِ نتائج کا ہو۔

۵۔ مضمون اردو، انگریزی، عربی یا فارسی زبان میں ہو، کسی دوسری زبان میں شائع شدہ اہم تحریر کا اردو ترجمہ بھی اشاعت کے لیے بھیجا جا سکتا ہے۔

۶۔ مضمون ارسال کرنے سے قبل املاء کی اغلاط کی اچھی طرح تصحیح کرنا مقالہ نگار کی اہم ذمہ داری ہوگی۔

کمپوزنگ:

۱۔ مضمون Inpage میں کمپوز کیا ہوا بھیجیں اور Soft Copy کی سی ڈی یا ای میل کرنے کے ساتھ ساتھ دو (2) عدد Hard Copies بھی جمع کرائیں۔

۲۔ مضمون کی ضخامت کمپوز کیے ہوئے 7x4 انچ سائز کے دس سے پندرہ صفحات ہو۔

۳۔ مضمون کے ہمراہ اس کا ملخص (Abstract) انگریزی زبان میں ارسال کیا جائے جو 100-70 الفاظ پر مشتمل ہو۔

۴۔ اردو اور فارسی مضامین کا فونٹ سائز 14pt، عربی کے لیے 16pt اور انگریزی مضامین کا فونٹ سائز 12pt ہو، عنوان 20pt اور ذیلی سرخیاں 16 فونٹ سائز میں ہوں۔

۵۔ اردو اور فارسی کے لیے فونٹ Noori Nastaliq، انگریزی کے لیے Times New Roman اور عربی کے لیے Trad Arabic فونٹ استعمال کریں۔

(بقیہ: انگلش ٹائٹل کی پشت پر)

بسم الله الرحمن الرحيم

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی کے طلبہ کا ترجمان

سہ ماہی

جستجو

ISSN:2410-535X

شمارہ: ۳ اپریل-جون ۲۰۱۵ء

گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی،

فیصل آباد، پاکستان

سہ ماہی جستجو
ISSN:2410-535X

''جستجو'' طلبہ تحقیق کا تحقیقی و تربیتی مجلہ ہے۔
مجلس ادارت کا مقالہ نگار کی آراء سے کلی اتفاق ضروری نہیں۔

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی
گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد، پاکستان
E-mail: justjoo.gcuf@yahoo.com
hafiz1192@yahoo.com
+ 92 300 7680468, + 92 346 7680468

فہرست

حصہ اردو:

ترجمۂ قرآن پر نحوی تحلیل کا اثر	حافظ محمد طاہر المصطفیٰ	۰۹
عقدِ رہن کے معاملات: فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں	صبا نور	۲۹
ملتِ اسلامیہ کے دفاع میں عثمانی ترکوں کی خدمات	ذاکرہ پروین	۴۱
بیماری و پریشانی میں رحمتِ خداوندی کا منفرد انداز	محمد رمضان نجم باروی	۵۹
خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کی دینی و ملی خدمات	حسن بیگ	۶۹
علامہ فضل حق خیرآبادیؒ اور تحریک آزادی	محمد انس گورایہ	۸۱
پیر نصیر الدین نصیرؒ کی شاعری میں رموزِ تصوف و سلوک	صفیہ بیگم	۹۱

حصہ انگریزی:

The Investigative System Of Islam.	Hafiz Ataa ul Mustafa	03

ترجمۂ قرآن پرنحوی تحلیل کا اثر

حافظ محمد طاہر المصطفیٰ ☆

ABSTRACT:

Due to comprehensiveness and depth of Arabic language, specially a unique fluency, conjunction and different style of speech in Quran, the "Nahvees" have used many techniques (tarkeebs) of the Holy Verses. A step was taken in the form of Urdu translation to understand the concepts existing in the Holy Quran in Sub continent Indo Pak. In the meanwhile, the translators decoded the Holy Quran according to their own thoughts and previous related techniques (tarkeeb). In the result the meaning of the Holy Quran were not affected negatively but has created the comprehensiveness in the meaning of the Holy Quran.

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ روئے زمین پر بولی جانے والی زبانوں میں سب سے زیادہ فصیح وبلیغ زبان عربی ہے۔اسکی بنیادی وجہ اس میں پایا جانے والا مادۂ اشتقاق ہے۔عربی زبان کے ایک کلمہ سے کئی نئے کلمات بنائے جاسکتے ہیں اور ہر نیا کلمہ مختلف اور متعدد معانی کا حامل ہوتا ہے۔یہ زبان تمام علاقائی زبانوں پر فوقیت تو پہلے ہی رکھتی تھی لیکن اسکی فوقیت کو چار چاند تب لگے جب اس زبان میں قرآن پاک کا نزول ہوااور عربی زبان وادب کے معانی و مفاہیم، استعارات وکنایات،تشبیہات وتعلیقات اور امثال ومحاورات میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

☆ ایم۔فل سکالر(سیشن ۲۰۱۳۔۲۰۱۵ء)

قرآن کریم اللہ تعالی کا اپنے رسول کریم ﷺ کے ذریعے کیا گیا اپنے بندوں سے آخری خطاب ہے۔ یہ محض ایک کتاب ہی نہیں بلکہ ایک کلام معجز نظام ہے، جس میں شستگی الفاظ، عمدہ اسلوب، سلاست و ربط، فصاحت و بلاغت، سورتوں کا غیر معمولی آغاز و اختتام، منفرد انداز بیان اور الفاظ کا حسین امتزاج قلب و روح کو تسکین بخشتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے بڑے بڑے فصحاء اسکی مثل لانے سے قاصر رہے۔

علوم لغت عربیہ میں سے علم نحو ایک ایسا علم ہے جس میں ایسے قوانین واصول بیان کیے جاتے ہیں جن کے ذریعے معرب اور مبنی ہونے کے اعتبار سے اسم، فعل اور حرف کے آخر کے حالت جاننے اور ان کو آپس میں ترکیب دینے کی کیفیت معلوم کی جاتی ہے۔ کلام لغت عربیہ میں متعلقات جملہ تین احتمالات میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوتے:

۱: مرفوعات

۲: منصوبات

۳: مجرورات

متعلقات جملہ ان تینوں احتمالات میں مختلف مقامات پر مختلف انداز میں باہم ایک لڑی کی شکل میں مربوط ہوتے ہیں، جن میں سے ہر ایک کو اگر جدا جدا کیا جائے تو اسے ''نحوی تحلیل'' کہتے ہیں۔ نحویوں کے ہاں قرآنی آیت میں بھی ارکانِ جملہ کی متعدد تراکیب کی جا سکتی ہیں۔ ارکان جملہ کبھی تو موصوف صفت بن رہے ہوتے ہیں، جبکہ بعض دفعہ ان کے درمیان استثنائی تعلق ہوتا ہے۔ اس اختلاف ترکیب کا ترجمہ قرآن پر بہرصورت اثر پڑتا ہے۔ کبھی تو یہ معانی قرآن کو تبدیل نہیں کرتا جبکہ بعض دفعہ معانی قرآن میں تبدیلی کا باعث بھی بنتا ہے۔

اردو زبان میں جب تراجم کا آغاز ہوا تو تراکیب میں اس اختلاف کا اثر ترجمہ قرآن پر بھی ظاہر ہوا۔ زیر نظر مضمون میں چند مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے اور وہاں مختلف تراجم سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح ''نحوی تحلیل'' ترجمۂ قرآن پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں جن

تراجم کو استعمال کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

کنز الایمان	احمد رضا خان
ضیاء القرآن	پیر محمد کرم شاہ الازھری
ترجمہ قرآن مجید	محمود الحسن دیوبندی
عمدۃ البیان	مفتی غلام سرور قادری
بلاغ القرآن	محسن علی نجفی
بیان القرآن	اشرف علی تھانوی
ترجمان القرآن	ابوالکلام آزاد
تفسیر ثنائی	ثناء اللہ امرتسری
تفسیر القرآن وھوالھدی والفرقان	سرسید احمد خان
تفہیم القرآن	سید ابوالاعلی مودودی

مثال نمبر ا:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنعَمتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ المَغضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْن (۱)

راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔(محمود الحسن)

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا جو معتوب نہیں ہوئے جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔(ابو الاعلی مودودی)

ان (پیغمبروں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین) کے راستے پر جن پر تو نے (اپنے قرب کے راستے کھول کر) احسان کیا۔جن پر نہ غضب کیا گیا (جیسا کہ یہود پر انکی نافرمانیوں کی وجہ سے غضب کیا گیا) اور نہ وہ گمراہ ہوئے (جیسا کہ غلط عقیدے گھڑ کر گمراہ ہوئے)۔(مفتی غلام سرور)

راستہ ان کا جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔(کرم شاہ الازہری)

راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔(احمد رضا)

رستہ ان لوگوں کا کہ ان پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا ہے اور نہ ان لوگوں کا جو رستہ سے گمراہ ہو گئے۔(اشرف علی تھانوی)

ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیے۔اور نہ ان لوگوں کی جن پر غضب کیا گیا اور نہ ان کی جو گمراہ ہیں۔(ثناء اللہ مرتسری)

وہ راہ جو ان لوگوں کی راہ ہوئی جن پر تو نے انعام کیا۔ان کی نہیں جو پھٹکارے گئے اور نہ ان کی جو راہ سے بھٹک گئے۔(ابوالکلام آزاد)

مذکورہ آیت کے درج بالا تراجم میں ترکیبِ کلام میں اختلاف کی وجہ سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ایک ترکیب کے مطابق "**غَیۡرِ المَغضُوبِ عَلَیۡهِمۡ وَلاَ الضَّالِّین**" یہ سارا جملہ "**عَلَیۡهِمۡ**" کی "**هم**" ضمیر سے صفت بنے گا۔اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ انعام یافتہ وہی لوگ ہیں جو نہ معتوب ہوئے اور نہ ہی گمراہ ہوئے ہیں۔اس ترکیب کے مطابق حضرات محمود الحسن، مودودی اور مفتی غلام سرور کے تراجم ہیں۔

دوسری ترکیب کے مطابق "**غَیۡرِ المَغضُوبِ عَلَیۡهِمۡ وَلاَ الضَّالِّین**" کی "**أَنعَمتَ عَلَیۡهِمۡ**" سے استثنا کر دی گئی ہے اور یہ استثناء متصل ہے۔اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ ہمیں انعام یافتہ لوگوں کے راستہ پر چلا اور ان لوگوں کے راستہ سے محفوظ فرما جو تیرے غضب کا شکار ہوئے اور ان سے بھی جو گمراہی کی دلدل میں جا گرے۔دونوں تراکیب کے مطابق کیے گئے تراجم کے باوجود معانی قرآن میں فرق نہیں پڑا۔

مثال نمبر ۲:

کُونُوۡا قِرَدَةً خَاسِئِیۡنَ (۲)

بن جاؤ بندر پھٹکارے ہوئے۔(الازہری)

بندر بن جاؤ اور اس حال میں رہو کہ ہر طرف سے تم پر دھتکار پھٹکار پڑے۔(مودودی)

تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔(مفتی غلام سرور)

تم بندر ذلیل بن جاؤ۔(تھانوی)

ذلیل وخوار بندروں کی طرح ہوجاؤ۔(آزاد)

تم پھٹکارے ہوئے بندر ہوجاؤ۔(امرتسری)

ہوجاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔(احمد رضا)

ہوجاؤ بندر ذلیل وخوار۔(سرسید)

اس آیت میں ''خَاسِئِینَ'' کا کلمہ اپنے محل کے اعتبار سے ''قِرَدَۃً'' کی صفت بھی بن سکتا ہے اور یہ ''کُونُوا'' میں پوشیدہ ضمیر ''انتم'' جو کہ اس کا اسم بھی ہے، کا حال بھی بن سکتا ہے۔ ترکیب کلام میں اختلاف کا اثر تراجم میں بھی وقوع پذیر ہوا۔سوائے مولانا مودودی کے ترجمہ کے بقیہ تمام تراجم ''خَاسِئِین'' کو ''قِرَدَۃ'' کی صفت بناتے ہوئے کیے گئے ہیں، جبکہ مودودی صاحب نے ''خَاسِئِینَ'' کو ''انتم'' ضمیر سے حال بنایا ہے اور ترجمہ میں واضح کیا کہ بندر بننے کے بعد تم اس حالت میں رہو کہ ہر طرف سے تمہیں دھتکارا جائے۔

مثال نمبر ۳:

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ (۳)

اور اسکے پیرو ہوئے جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلطنت سلیمان کے زمانہ میں اور سلیمان نے کفر نہ کیا۔(احمد رضا)

اور لگے ان چیزوں کی پیروی کرنے جو شیاطین سلیمان کی سلطنت کا نام لیکر پیش کیا کرتے تھے، حالانکہ سلیمان نے کبھی کفر نہ کیا۔(مودودی)

اور وہ اس جادو کے پیچھے لگ گئے جو شیاطین سلیمان کی سلطنت کے زمانہ میں پڑھتے تھے اور سلیمان نے کفر نہ کیا۔(مفتی غلام سرور)

اور پیروی کرنے لگے اس کی جو پڑھا کرتے تھے شیطان سلیمان کے عہد حکومت میں حالانکہ سلیمان نے کوئی کفر نہ کیا۔(الازہری)

انہوں نے ایسی چیز کا (یعنی سحر کا) اتباع کیا،جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین (یعنی خبیث جن) حضرت سلیمان کے (عہد) سلطنت میں اور حضرت سلیمان نے کفر نہ کیا۔(تھانوی)

اور پیچھے ہو لیے ان باتوں کے جو شیاطین سلیمانؑ کے زمانہ میں پڑھتے تھے، اور سلیمان نے کبھی کفر نہ کیا۔(امرتسری)

اور پھر (دیکھو) ان لوگوں نے (کتاب الٰہی کی تعلیم فراموش کر کے جادوگری کے) ان (مشرکانہ) عملوں کی پیروی کی جنہیں شیطان سلیمان کے عہد سلطنت کی طرف منسوب کر کے پڑھا کرتے تھے حالانکہ سلیمان کبھی کفر کا مرتکب نہیں ہوا۔(آزاد)

اور پیروی کی اس چیز کی جو شیاطین سلیمان کی سلطنت میں پڑھتے تھے (یہ سمجھ کر کہ سلیمان نے اس کو کیا ہے) اور سلیمان نے کفر نہیں کیا۔(سرسید)

اس آیت کریمہ کی ترکیب میں اختلاف کی وجہ سے تراجم میں بھی اختلاف رونما ہوا ہے۔آیت میں ''وَ اتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ'' کو اگر الگ جملہ بنایا جائے اور ''وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمَان'' کو الگ جملہ بنایا جائے تو پھر ترجمہ اور بنتا ہے،لیکن اگر دوسرے جملہ ''وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمَان'' کو سلیمان سے حال بنایا جائے تو ترجمہ میں فرق آجاتا ہے۔

پہلی ترکیب کے مطابق جو تراجم کیے گئے ان میں احمد رضا،مفتی غلام سرور،تھانوی، امرتسری اور سرسید کے تراجم ہیں اور دوسری ترکیب کے مطابق مودودی،الازہری اور آزاد کے تراجم ہیں۔

مثال نمبر ۴:

يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَ مَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَ مَارُوتَ (۴)

سکھایا کرتے تھے لوگوں کو جادو نیز وہ بھی جو اتارا گیا دو فرشتوں پر (شہر) بابل میں (جن کے نام) ہاروت اور ماروت تھے۔(الازھری)

لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں اور وہ (جادو) جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اترا۔ (احمد رضا)

وہ لوگوں کو (کفریہ) جادو سکھاتے تھے اور (وہ بنی اسرائیل) اس (جادو کے پیچھے بھی لگے) جو بابل (شہر) میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر (آزمائش کے لیے) اتارا گیا۔ (مفتی غلام سرور)

جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ پیچھے پڑے اس چیز کے جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر نازل کی گئی تھی۔ (مودودی)

اور حالت یہ تھی کہ آدمیوں کو بھی (اس) سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے۔ اور اس (سحر) کا بھی جو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا شہر بابل میں (جن کا نام) ہاروت و ماروت (تھا)۔ (تھانوی)

جو آدمیوں کو جادو سکھاتے تھے اور اس چیز کی (پیروی کی جس کی نسبت وہ کہتے تھے) کہ بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر اتارے گئے ہیں۔ (سرسید)

اور لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور نہ اتارا گیا تھا دو فرشتوں پر (شہر) بابل میں۔ (امرتسری)

لوگوں کو جادوگری سکھلاتے تھے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ بابل میں دو فرشتوں ہاروت ماروت پر اس طرح کی کوئی بات نازل ہوئی تھی۔ (آزاد)

اس کلام کی ترکیب میں بھی تین احتمال ہیں۔ یا تو 'ما' نافیہ قرار دیا جائے اور اس جملہ کو معترضہ بنایا جائے تو اس صورت میں ھاروت و ماروت، شیطین سے بدل بعض ہوں گے، اور آیت کا مفہوم ہوگا کہ شیاطین ہاروت اور ماروت لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ اور بابل شہر میں فرشتوں پر کچھ نازل نہ کیا گیا تھا۔ اس ترکیب کے مطابق امرتسری صاحب کا ترجمہ ہے۔ علامہ قرطبی نے اسی ترکیب کو پسند کیا ہے اور فرمایا:

"ھذا اولیٰ ما حملت علیہ الآیۃ من التاویل و اصح ما قیل فیھا و لا یلتفت الیٰ سواہ" (۵)

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''ما'' کو نافیہ ہی بناتے ہوئے اس جملہ کو معترضہ بنایا جائے، لیکن ہاروت اور ماروت کو ''ملکین'' سے بدل بنایا جائے۔ اس ترکیب کے مطابق آزاد صاحب کا ترجمہ ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس ''ما'' کو موصولہ بنایا جائے اور اس کا عطف ''وَاتَّبَعُوا'' کے تحت کیا جائے۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ یہود نے اس سحر کی بھی پیروی کی جو بابل شہر میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا تھا۔ اس احتمال کو جمہور نے پسند کیا ہے۔ اس کے مطابق الازہری، مودودی، احمد رضا، مفتی غلام سرور، سرسید اور تھانوی صاحب کے تراجم ہیں۔

ان تینوں احتمالات کی وجہ سے تراجم میں جو اختلاف واقع ہوا ہے وہ کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے جو معانی قرآن کو مسخ کرتا ہو بلکہ صرف ان فرشتوں کے نام اور سحر کے نزول کے بارے میں اختلاف واقع ہوتا ہے، جن پر ایمان رکھنا جزو ایمان ہے۔ باقی کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے کہ جس سے مسلمانوں کے کسی عقیدہ میں فرق آرہا ہو یا ہدایت کا سامان نہ بہم پہنچ سکتا ہو جو کہ قرآن کا طرّہ امتیاز ہے۔

اس کے علاوہ ان تراجم میں اختلاف قوسین میں نظر آتا ہے۔ مترجمین نے اپنے تراجم کو سہل اور بامحاورہ بنانے کے لیے قوسین میں کچھ الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے۔ جو اگرچہ ترجمہ نہیں لیکن عبارت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ ان قوسین میں موجود الفاظ بھی معانی قرآن میں تبدیلی کا باعث نہیں بنتے۔

مزید برآں ان تراجم میں قواعد لغت عربیہ کے لحاظ کا بھی اثر ہے۔ مضارع پر جب کان داخل ہو تو وہ اسے ماضی استمراری کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ خالی مضارع، زمانہ حال کا معنی دیتا ہے یا مستقبل کا معنیٰ دیتا ہے۔ زیر نظر تراجم میں تمام میں ''یُعَلِّمُون'' کا ترجمہ ''سکھایا کرتے تھے'' یا ''سکھاتے تھے'' کیا گیا ہے جبکہ صرف احمد رضا صاحب کا ترجمہ ایسا ہے جس میں ''سکھاتے ہیں'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو کہ قوانینِ لغت کے عین مطابق ہے۔

مثال نمبر ۵:

وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ (٦)

اور ڈھیل دیتا ہے انہیں تا کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ (الازھری)

اور ترقی دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں (اور) حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں۔ (محمود الحسن)

وہ ان کی رسی دراز کیے جاتا ہے اور یہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔ (مودودی)

اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ (احمد رضا)

اور ان کو ان کی گمراہی میں ٹکراتے ہوئے رکھتا ہے۔ (سرسید)

اور ڈھیل دیے چلے جاتے ہیں ان کو وہ اپنی سرکشی میں حیران وسرگرداں ہیں۔ (تھانوی)

اور ان کی سرکشی کے سبب ان کو کھینچے گا حیران پھریں گے۔ (امرتسری)

کہ اللہ (کے قانونِ جزا) نے رسی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے اور سرکشی (کے طوفان) میں بہکے چلے جا رہے ہیں۔ (آزاد)

اور وہ انہیں ڈھیل دیتا ہے اور اپنی سرکشی میں بھٹک رہے ہیں۔ (مفتی غلام سرور)

زیرِ نظر تراجم دو تراکیب کو مدنظر رکھتے ہوئے کیے گئے ہیں۔

پہلی ترکیب کے مطابق ''فِي طُغْيَانِهِم'' کو ''يَمُدُّهُمْ'' کے متعلق کیا جائے اور ''يَعْمَهُونَ'' کو ھم ضمیر سے حال بنایا جائے اس ترکیب کے مطابق حضرات محمود الحسن، سرسید اور امرتسری کے تراجم آتے ہیں۔

دوسری ترکیب کے مطابق ''يَمُدُّهُم'' کا ترجمہ الگ کیا جائے اور ''فِي طُغْيَانِهِم'' کو ''يَعْمَهُونَ'' کے متعلق کیا جائے۔ اس ترکیب کے تحت حضرات الازھری، سرسید، احمد رضا، تھانوی، مفتی غلام سرور اور آزاد کے تراجم آتے ہیں۔

ترکیبِ کلام میں اختلاف کی وجہ سے ترجمہ قرآن میں جو اختلاف پیدا ہوا ہے اس سے معانی قرآن پر کوئی فرق نہیں پڑتا، مگر ایک امر کی طرف علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنے تفسیری فوائد میں اشارہ کیا ہے جس کا ذکر کرنا بے سود نہ ہوگا۔ لکھتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ آیت میں ''فِیْ طُغْیَانِھِم''فعل ''یُمِدُّھُم'' کے متعلق ہے مگر تراجم دہلویہ جدیدہ میں اسکو ''یَعْمَھُون'' کے متعلق کر دیا گیا ہے۔(جس سے معنی بگڑ کر معتزلہ کے موافق اور اہل سنت کے خلاف اور استعمال اہل عرب کے مخالف ہو گئے)اور جاننے والے اسکوخوب جانتے ہیں''(۷)

علامہ شبیر احمد عثمانی نے جس امر کی طرف اشارہ کیا ہے اسکا تعلق علم الکلام سے ہے۔ معتزلہ اوراہل سنت میں اختلاف ہے کہ کیا برائی کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے یا نہیں؟

علامہ سعدالدین تفتازانی اہل سنت کے مؤقف کو یوں بیان کرتے ہیں:

''واللہ تعالی خالق لافعال العبادعن الکفر والایمان الطاعۃوالعصیان''(۸)

(اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے خواہ انکا تعلق کفر،ایمان،اطاعت اورنافرمانی سے ہو۔)

دوسری طرف معتزلہ کے نزدیک خیر کا خالق اللہ تعالی ہےاور شر کا خالق بندہ ہے،لیکن جن مترجمین نے بھی ''فِیْ طُغْیَانِھِم''کو''یَعْمَھُون'' کے متعلق کیا ہےان میں کوئی بھی معتزلہ کے عقائد کا ترجمان نہیں ہےاور نہ ہی کسی نے اس اختلاف کو اپنے تفسیری حواشی میں بیان کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آیت کی ترکیب میں اختلاف کی وجہ سے ترجمہ پر جو اثر واقع ہوا ہے، اس سے معانی قرآن پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔دونوں تراکیب کے تحت کیے جانے والے تراجم میں خدائی طریقہ استدراج کو بیان کیا جارہاہے۔

مثال نمبر ۶:

قَالُوْاأَتَجْعَلُ فِیْھَا مَن یُفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَاء وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ(۹)

کہنے گے تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اور اس میں خونریزیاں کریگا،حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ۔(الازھری)

انہوں نے عرض کی،کیا آپ زمین میں کسی ایسے کومقرر کرنے والے ہیں جواس کے انتظام کو بگاڑ دے گااور خون ریزیاں کریگا۔آپکی حمد وثنااور آپکے لیے تقدیس تو ہم کرہی رہے ہیں(مودودی)

بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا اور ہم تجھے سراہتے ہوئے، تیری تسبیح کرتے ہیں۔احمد رضا)

کہا فرشتوں نے کیا قائم کرتا ہےتو زمین میں اسکو جوفساد کرے اس میں اور خون بہائے اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں۔(محمودالحسن)

انہوں نے عرض کی کیا تو زمین میں اس کو(نائب) بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا،حالانکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے ہیں۔(مفتی غلام سرور)

فرشتے کہنے لگے کہ آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جوفساد کریں گے اور خون ریزیاں کریں گےاور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ۔(تھانوی)

وہ بولے کیا آپ ایسے شخص کو نائب بناتے ہیں جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری خوبیاں بیان کرتے ہیں۔(امرتسری)

فرشتوں نے عرض کیا،کیا ایسی ہستی کوخلیفہ بنایا جارہا ہے جوزمین میں خرابی پھیلائے گی اورخونریزی کرے گی؟ حالانکہ ہم تیری حمدوثنا کرتے ہیں۔(آزاد)

فرشتوں نے کہا: کیا ایسے کوخلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزی کرے گا؟ جب کہ ہم تیری ثناء کی تسبیح اور تیری پاکیزگی کا ورد کرتے ہیں۔(محسن علی نجفی)

بولے کیا تو اس میں ایسے کوخلیفہ کرے گا جو اس میں فساد کرے اور خون بہاوے اور ہم تو تیری تعریف جپتے ہیں۔(سرسید)

اس آیت کریمہ کے تراجم میں اختلاف بھی ترکیب کلام میں اختلاف کی جہ سے ہے۔آیت میں فرشتوں کی تسبیح کا ذکر ہے(وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ) آیت کا یہ حصہ ’’أتجعل‘‘ میں انت ضمیر ذوالحال سے حال واقع ہورہا ہے۔بعض مترجمین نے اسکو حال بناتے

ہوئے ہی ترجمہ کیا ہے، جبکہ بعض نے اسے جملہ معطوفہ بنایا ہے۔ وہ مترجمین جنہوں نے اسے حال بنایا ہے انہوں نے ترجمہ میں ''حالانکہ'' یا ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو کہ حالیہ ہیں۔ان میں حضرات الازھری، آزاد، مفتی غلام سرور اور محسن علی نجفی شامل ہیں۔ بقیہ تمام مترجمین نے اس حصہ کو جملہ معطوفہ بنایا ہے۔آیت کی مذکورہ دونوں تراکیب درست ہیں مگر امام ابوحیان اندلسی اور علامہ محمود آلوسی نے اس آیت کی جو ترکیب بیان کی ہے اس سے فریق اول کی تائید ہوتی ہے۔

البحرالمحیط میں ہے: (وَنَحْنُ نُسَبِّحُ) جملة حالية (۱۰)

روح المعانی میں ہے: (وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ) حال من ضمير الفاعل فی (اتجعل) (۱۱)

اسی آیت میں ''نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ'' کا ترجمہ کرتے ہوئے ترکیب کا لحاظ کرنے میں مترجمین نے مختلف انداز اپنائے ہیں۔ چند مترجمین ہی لفظی پابندی کا خیال رکھتے ہوئے صحیح ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں، امام ابوحیان اندلسی نے اس حصہ کی دو تراکیب لکھی ہیں۔

نمبر ا: ''بحمدک'' حال کی جگہ پر ہے اور ''بائ' اس میں حال کے لیے ہے معنی یہ بنتا ہے کہ ہم تیری حمد کے ساتھ التباس کرتے ہوئے تسبیح کرتے ہیں۔

نمبر ۲: ''بائ'' سبب کے لیے ہے یعنی تیری حمد کے سبب سے، تو معنی ہوگا کہ ہم تیری توفیق اور تیرے انعام سے تیری تسبیح کرتے ہیں۔ (۱۲)

ان دونوں تراکیب کو مدنظر رکھتے ہوئے تراجم پر نظر دوڑائی جائے تو پہلی ترکیب کے بالکل مطابق ترجمہ احمد رضا صاحب کا ہے، کسی حد تک یہی مفہوم الازھری اور مفتی غلام سرور صاحب نے بھی ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔اس ترکیب کے مطابق مفہوم یہ ہوگا کہ فرشتے جب باری تعالی کی تسبیح بیان کرتے ہیں تو اس میں حمد باری تعالی کا پہلو بھی شامل ہوتا ہے۔

اب فرشتوں کی تسبیح کیا ہے اس کے بارے میں مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد تسبیح خاص ہے۔اور وہ (سبحان ذی الملک والملکوت، سبحان ذی العظمة والجبروت، سبحان الحی الذی لا یموت) ہے اور اسے تسبیح ملائکہ بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت ؓ کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل کلام کیا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما اصطفی اللہ لملائکتہ او لعبادہ (سبحان اللہ و بحمدہ) (۱۳)

اس حدیث پاک میں بیان کردہ تسبیح سے بھی ترکیب اول کی تائید ہوتی ہے۔

ان تراجم میں سے ایک ترجمہ تھانوی صاحب کا ہے جو کہ البحر المحیط میں بیان کردہ دوسری ترکیب کے مطابق کیا گیا ہے۔ تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ (ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ) ہمارے عرف میں بحمد اللہ کسی بھی کلام کے ساتھ تب بولا جاتا ہے جب متکلم کسی نعمت یا انعام پر باری تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہتا ہو۔ مثلاً میں نے بحمد اللہ قرآن کریم حفظ کر لیا ہے۔ یا بحمد اللہ میں امتحانات میں اول آیا ہوں، وغیرہ۔ تھانوی صاحب بھی "بحمدک" کا ترجمہ بحمد اللہ کرنے کے ساتھ یہ تاثر دے رہے ہیں کہ فرشتے بھی تسبیح باری تعالیٰ کی توفیق ملنے پر شکر ادا کر رہے ہیں۔ اس صورت میں بحمدک کا "بائ" سبب کے لیے ہوگا۔

مثال نمبر ۷:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (۱۴)

فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے تمہیں۔ (الازہری)

تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔ (مودودی)

تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے جبکہ وہ تمہیں ناگوار ہے۔ (نجفی)

تم پر اللہ کی راہ میں لڑنا فرض کیا گیا ہے حالانکہ وہ تمھارے لیے (طبعا) ناگوار ہے۔ (مفتی غلام سرور)

فرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ بری لگتی ہے تمہیں۔ (محمود الحسن)

تم پر فرض ہوا خدا کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔ (احمد رضا)

جنگ کرنا تم پر فرض ہوا ہے اور وہ تم کو ناپسند ہے۔ (امرتسری)

لڑائی کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔(آزاد)

جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو گراں ہے۔(تھانوی)

اس آیت کے تراجم میں معمولی اختلاف نحوی تحلیل میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔آیت کی ترکیب کے مطابق کلمہ ''واوَ'' کے دو محل ہیں۔

نمبر۱: واوَحالیہ نمبر۲: واوَعاطفہ

واوَ عاطفہ ہونے کی صورت میں ''وَّ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ'' کا عطف ماقبل جملہ ''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ'' پر بنتا ہے اور اگر یہ واوَ حالیہ ہو تو مابعد جملہ ''الْقِتَالُ'' سے حال بنتا ہے۔زیر نظر تراجم میں سے صرف مفتی غلام سرور صاحب کا ترجمہ ایسا ہے جو کہ ترکیب اول کے مطابق کیا گیا ہے یعنی واوَ کو حالیہ بناتے ہوئے ترجمہ میں اس کے لیے ''حالانکہ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ دیگر تمام مترجمین نے واوَ کو عاطفہ بناتے ہوئے ترجمہ کیا ہے۔

اسی آیت میں دوسرا قابل غور کلمہ ''كُرْهٌ'' ہے۔اس کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں:

''{هُوَ كُرْهٌ لَّكُم}ای مکروہ لکم فھو من باب النقض بمعنی المنقوض، او ذو کرہ اذا أرید به المصدر فھو علی حذف المضاف، او لمبالغة الناس فی کراھة القتال جعل نفس الکراھة''(۱۵)

(تمھارے لیے یہ ناپسند ہے۔اور یہ نقض بمعنی منقوض کے باب سے ہے۔اور مفعول کی بجائے مصدر کا ذکر کرنا لوگوں کی قتال میں کراہت کے مبالغہ کو بیان کرنے کے لیے ہے۔اس لیے نفس کراہت کو بیان کرنے کے لیے مصدر کو ذکر کیا ہے۔)

ترجمہ میں اس کراہت قتال کے مبالغہ کو صرف مفتی غلام سرور نے اپنے ترجمہ میں ''طبعا'' کا لفظ استعمال کرتے ہوئے کیا ہے جبکہ دیگر مترجمین نے اس کا لحاظ نہیں رکھا۔

تراجم قرآن میں اس نحوی تحلیل اور صیغہ مبالغہ کے لحاظ کی وجہ سے معانی قرآن میں کوئی فرق نہیں آیا البتہ ترجمہ کے محاسن مزید وضاحت کے ساتھ بیان ہو گئے ہیں۔

مثال نمبر ۸:

قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدَى (۱۶)

تو ہدایت کا وہی راستہ ہے۔جس کو خدا نے بتلایا۔(تھانوی)

کہہ دیجیے: یقیناً اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔(محسن علی نجفی)

آپ (انہیں) کہہ دیجیے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔(الازھری)

تم فرمادو اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے۔(احمد رضا)

صاف کہہ دو راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا۔(مودودی)

تو کہہ دے جو راہ اللہ بتلادے وہی سیدھی راہ ہے (محمود الحسن)

فرمادے بے شک اللہ کی ھدایت (دین اسلام) ہی ہدایت ہے۔(مفتی غلام سرور)

تو کہہ دے کہ ھدایت تو اصل وہی ہے جو اللہ کے ہاں سے ہو۔(امرتسری)

پس تم ان سے (صاف صاف) کہہ دو کہ خدا کی ہدایت کی راہ تو وہی ہے جو ہدایت کی اصل راہ ہے (نہ کہ تمھاری خود ساختہ گروہ بندیاں)۔(آزاد)

اس آیت کی ترکیب یہ ہے: انّ حرف از حروف مشبہ بالفعل، (هُدَى اللّٰهِ) مرکب اضافی ہو کر ''إِنَّ'' کا اسم اور ھو ضمیر منفصل برائے حصر اور 'الْهُدَى' خبر ہے۔

اب صحیح ترجمہ وہی ہوگا جس میں ترکیبِ کلام کا بھی خیال رکھا گیا ہو اور ترجمہ کا معنوی حسن بھی برقرار رہے۔ترکیب کلام کی پابندی کا لحاظ کرتے ہوئے حضرات محسن علی نجفی، الازھری، احمد رضا، محمود الحسن، مفتی غلام سرور اور آزاد صاحب نے ترجمہ کیا ہے۔یعنی جو کلمات ترکیب کلام میں انّ کا اسم بن رہے ہیں ترجمہ میں بھی انہیں اسم کی جگہ پر ہی رکھا گیا ہے اور خبر یہ کلمات کو ترجمہ میں بھی خبر کے مقام پر ہی رکھا گیا ہے۔

جبکہ مولانا تھانوی، مودودی اور امرتسری صاحب سے اس آیت کا ترجمہ کرنے میں لغزش ہوئی ہے۔فاضل مترجمین نے انّ کے اسم کی جگہ خبر اور خبر کے ترجمہ کی جگہ اسم کا ترجمہ کر دیا ہے۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مترجمین عربی قواعد نحویہ سے ناواقف تھے، البتہ چوک ضرور ہوئی ہے اور ترجمانی کا اسلوب اپنایا گیا، لیکن اس سے بھی معانی قرآن پر کچھ فرق نہیں پڑتا۔

مثال نمبر ۹:

قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً (۱۷)

ان سے کہہ دیجیے: (نہیں) بلکہ یکسوئی سے ملت ابراہیمی کی پیروی کرو۔ (محسن علی نجفی)

کہہ دے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی۔ جو ایک ہی طرف کا تھا۔ (محمود الحسن)

آپ کہہ دیجیے کہ ہم تو ملتِ ابراہیم پر رہیں گے۔ جس میں کجی کا نام نہیں ہے۔ (تھانوی)

تم فرماؤ بلکہ ہم تو ابراہیم کا دین لیتے ہیں جو ہر باطل سے جدا تھے۔ (احمد رضا)

آپ فرمایئے تیرا دین تو دین ابراہیم ہے۔ جو باطل سے منہ موڑنے والا حق پسند تھا۔ (الازھری)

ان سے کہو: ''نہیں'' بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیم کا طریقہ۔ (مودودی)

(ان سے) فرما دو، بلکہ ہم تو ملت ابراہیم کے پیروکار ہیں جو دین حق پر قائم اور باطل سے جدا تھے۔ (مفتی غلام سرور)

تو کہہ دے بلکہ ابراہیم یک رخا کی راہ ہم نے پکڑ رکھی ہے۔ (امرتسری)

لیکن تم کہو نہیں (خدا کی عالم گیر سچائی ان گروہ بندیوں میں محدود ہو جا سکتی) اسکی راہ تو وہی حقیقی ''راہ'' ہے جو ابراہیم کی راہ تھی۔ یعنی تمام انسانوں کے طریقوں سے منہ موڑنا اور صرف خدا کے سیدھے سادھے فطری طریقہ کا ہو رہنا۔ (آزاد)

مذکورہ بالا آیت کے تراجم میں اختلاف ترکیب کلام میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔

آیت میں دو مقامات کی ترکیب قابل غور ہے۔ ۱: مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ ۲: حَنِيفاً

امام ابوحیان اندلسی نے آیت میں ''مِلَّة'' کے منصوب ہونے کی دو وجوہات بتائی ہیں۔

۱: منصوب علی اضمار فعل ۲: منصوب علی الاغراء (۱۸)

منصوب علی اضمار فعل سے مراد ہے کہ ''مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ'' سے پہلے کوئی فعل مضمر ہے جس کا یہ مفعول بن رہا ہے اور مفعول منصوب ہوتا ہے۔اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی:

''نتبع ملة ابراهيم''

منصوب علی الاغراء یہ ہے کہ جب مخاطب کو کسی پسندیدہ کام پر اکسایا جائے تو جس پر اکسایا جائے اسے منصوب ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے پہلے الزم فعل محذوف ہوتا ہے۔ یہاں ''مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ'' منصوب علی الاغراء ہے۔اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی۔

''الزموا ملة ابراهيم''

''مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ'' کے ان دو محلات کو مد نظر رکھ کر اگر تراجم پر غور کیا جائے تو حضرات محمود الحسن، تھانوی، احمد رضا، مفتی غلام سرور اور امرتسری صاحب کے تراجم ''منصوب علی اضمار فعل'' کے تحت کیے گئے ہیں، یعنی نتبع ملة ابراهيم (ہم ملت ابراہیمی کی پیروی کریں گے۔) اور محسن علی نجفی صاحب نے ترجمہ منصوب علی الاغراء کے تحت کیا ہے۔یعنی الزموا ملة ابراهيم۔ (ملت ابراہیمی کو لازم پکڑو۔)

امام ابوحیان اندلسی مزید لکھتے ہیں:

وقراء ابن هرمز، الاعرج و ابن ابی عبلة بل ملة ابراهيم برفع ملة ''هو خبر مبتدا محذوف''(۱۹)

(ابن ھرمز، الاعرج اور ابن ابی عبلۃ نے اسے ''بل ملةُ ابراهيم'' رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔اس صورت میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگا۔)

اس ترکیب کو مد نظر رکھتے ہوئے الازھری صاحب نے ترجمہ کیا ہے۔''میرا دین تو دین ابراہیم ہے۔''

دوسرے کلمہ ''حَنِيفاً'' کے متعلق علامہ اندلسی لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ یا تو ''ابراهيم'' سے حال واقع ہو رہا ہے یا ''ملة'' سے، اگر یہ ''ابراهيم'' سے حال ہو تو اس کے مطابق حضرات محمود

الحسن، احمد رضا، الازھری، مفتی غلام سرور، امرتسری صاحب کے تراجم ہیں۔ اگر ''ملة'' سے حال ہوتو تھانوی صاحب کا ترجمہ اس کے مطابق بنتا ہے۔آیت کے اس حصہ کی مختلف تراکیب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسکا بامحاورہ ترجمہ کرنے کے لیے اسکے بعض کلمات سے قبل کچھ افعال محذوف ماننے پڑتے ہیں۔مودودی صاحب نے ان محذوف افعال کا خیال کیے بغیر ترجمہ کیا ہے، جبکہ آزادصاحب نے جواسلوب اختیار کیا ہے اس میں ترجمہ سے زیادہ تفسیر کا رنگ پایا جاتا ہے۔

حاصلِ کلام:

۱۔ قرآن میں غوروتدبر ایک مطلوب اور پسندیدہ عمل ہے۔

۲۔ اس کا مقصود طلب ہدایت ہونا چاہیے، نہ کہ علمی موشگافیاں۔

۳۔ ترجمۂ قرآن کی بہترین صورت یہ ہے کہ ترسیل معنیٰ کو بھی اہمیت دی جائے اور الفاظ قرآن کی بھی پابندی کی جائے۔

۴۔ صحیح ترجمۂ قرآن کے لیے ضروری ہے کہ مترجم کو عربی زبان پر بھی عبور ہو اور اس زبان پر بھی جس میں وہ ترجمہ کر رہا ہے۔

۵۔ نحوی تحلیل کی طرح ترجمۂ قرآن کریم پر صرفی تحلیل کا بھی اثر ہوتا ہے۔

۶۔ صرفی تحلیل کی وجہ سے اکثر معانی قرآن میں توسیع پیدا ہوجاتی ہے۔انحرافی پہلو بہت کم ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ ترجمہ میں اس حد تک قوسین کے استعمال سے گریز کیا جائے کہ ''عبارت'' ترجمہ سے زیادہ ''تفسیری حاشیہ'' محسوس ہو۔

حوالہ جات

۱۔ الفاتحہ:۷

۲۔ البقرۃ:۶۵

۳۔ ایضاً:۱۰۲

۴۔ ایضاً:۱۰۲

۵۔ قرطبی ،ابوعبداللہ محمد بن احمد،الجامع لاحکام القرآن،بیروت:داراحیاء التراث العربی،۱۳۷۲ھ،ج۲،ص۵۰

۶۔ البقرۃ:۱۵

۷۔ دیوبندی،محمودالحسن،موضح الفرقان،کراچی:دارالتصنیف،۱۹۷۵ئ،ص۵

۸۔ تفتازانی،سعدالدین،علامہ،شرح العقائدالنسفیۃ،ملتان:مکتبہ امدادیہ،ص۱۷

۹۔ البقرۃ:۳۰

۱۰۔ ابوحیان،محمدبن یوسف اندلسی، البحرالمحیط،بیروت:دار الکتب العلمیہ ، ۱۴۱۳ھ، ج۱،ص۲۹۱

۱۱۔ آلوسی،محموداحمد،روح المعانی،ج۱،ص۲۲۳

۱۲۔ ابوحیان اندلسی،البحرالمحیط،ج۱،ص۲۹۱

۱۳۔ ایضاً،ص۲۹۱

۱۴۔ البقرۃ:۲۱۶

۱۵۔ ابوحیان اندلسی،البحرالمحیط،ج۲،ص۱۵۲

۱۶۔ البقرۃ:۱۲۰

۱۷۔ ایضاً:۵ ۱۳

۱۸۔ ابوحیان اندلسی، البحر المحیط،، ج ۱،ص ۷۷ ۵

۱۹۔ ایضاً،ص ۷۷ ۵

عقدِ رہن کے معاملات: فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

صبا نور ☆

<u>*ABSTRACT*</u>:

Islam has given definite guidance for Sharia-compliant economic activities. Pledge is an important contract particularly in securing a loan by economically weak masses and often supplements guarantee. This article discusses the research points from the writings of Imam Ahmad Raza on pledge and is helpful in knowing his contribution to Economics.

اسلام وہ دین ہے جس نے انسانوں کی بھلائی کے پیشِ نظر معاملات کے شعبے میں بھی آسانی فراہم کی ہے۔ ہر فرد کی ضرورت دوسرے فرد سے وابستہ ہے۔ کوئی بھی شخص ان ضروریاتِ زندگی کو تن تنہا پورا کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ لین دین کے روزمرّہ معاملات میں انسانوں کو لازماً ایک دوسرے کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لیے قرضوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ قرض کسی دوسرے شخص کے پاس اپنی کوئی شے رہن رکھوا کر بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس رہن کے تحت قرض دینے والے کو اپنی رقم کے ضائع ہونے کا خدشہ نہیں رہتا۔ قرض دار قرض کی رقم اس شخص کو ادا کر کے اپنی شے واپس لے لیتا ہے ۔ قرآنِ

☆ پی ایچ ڈی سکالر (سیشن ۲۰۱۲۔۲۰۱۵ء)

پاک اور احادیث میں اس عقد کے احکام موجود ہیں۔کتبِ فقہ میں فقہائے کرام نے عقدِ رہن سے متعلق تمام مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔امام احمد رضا نے رہن سے متعلق جن معاملات پر بحث کی ہے،ان میں سے چند ایک کا اس مقالے میں احاطہ کیا گیا ہے۔

معنیٰ و مفہوم:

رہن کے لغوی معنی ثابت رہنے،قائم رہنے،روکنے یا پابند ہو جانے کے ہیں۔رہن کو گروی رکھنا بھی بولتے ہیں۔اصطلاح میں اس کے معنیٰ ہیں ایسی کوئی شے جو شرعاً مالیت رکھتی ہو جس کو قرض کے عوض بطور رہن رکھوایا جا سکے اور اسی شے پر قرض کا واپس حصول ممکن ہو۔(۱)

رہن کے متعلق قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰن "مَّقْبُوْضَة"(۲)

''اور دستاویز لکھنے کے لیے کوئی کاتب نہ پاؤ تو رہن بالقبض پر معاملہ کرو''

اس آیتِ مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ مسافر جو کسی کے ساتھ قرض کا معاملہ کرنا چاہے اور اس معاہدے کو تحریر کرنے والا موجود نہ ہو تو کسی چیز کو رہن رکھوا کر قرض حاصل کرے۔

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ (۳)

''اے لوگوں جو ایمان لائے جب کسی مقررہ مدت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو''

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی سے اناج خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھوائی۔اسی طرح حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جَو کے بدلے اپنی زرہ رہن رکھوائی۔(۴)

رہن کے ارکان اور شرائط:

رہن کے تین ارکان ہیں:

(۱) مرتہن: وہ شخص جو قرض کے معاملے میں کوئی شے رہن رکھتا ہے، دوسرا راہن جو شے کا مالک ہوتا ہے۔

(۲) شے مرہونہ: رہن رکھی ہوئی شے اور دوسرا وہ قرض جو رہن کے مقابلے میں دیا جاتا ہے۔

(۳) ایجاب وقبول: وہ الفاظ جو اس عقد کے لین دین میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

عقدِ رہن کے لیے لفظ رہن بولنا ضروری نہیں بلکہ وہ الفاظ جن سے رہن کے معنیٰ سمجھے جاتے ہوں، ان الفاظ سے بھی یہ عقد ہو جاتا ہے۔ گروی رکھی ہوئی شے پر مرتہن کا قبضہ ہونا اس عقد کے لیے لازم ہے، بغیر قبضہ کیے یہ عقد درست نہیں ہوتا۔ شے مرہونہ پر قبضہ کرنے کے لیے اس شے کے مالک کی اجازت ضروری ہے۔

عقد رہن کے درست ہونے کی شرائط یہ ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ مرہونہ شے کا مالک اور جس کے پاس رہن رکھوایا جائے دونوں عاقل ہوں۔ ناسمجھ اور مجنون کا رہن رکھنا درست نہیں۔ بالغ ہونا اس عقد کے لیے شرط نہیں ہے، نابالغ بچہ جو عاقل ہو وہ یہ عقد کرے تو عقد درست ہوگا۔

ایسی تمام اشیاء جن کا شمار مال میں نہیں ہوتا یا وہ اشیا جو مالیت نہیں رکھتی مثلاً مردار، خون وغیرہ، ان کا رہن رکھنا درست نہیں۔ فروخت شدہ اشیا کا رہن بھی درست نہیں۔ اسی طرح جو شے بطور امانت کسی کے پاس ہو وہ بھی رہن نہیں رکھوائی جا سکتی۔ عقدِ رہن کے بارے میں یہ شرط نہیں ہے کہ پہلے سے قرض دیا ہو اور قرض کے عوض ہی رہن رکھوایا جا سکے، بلکہ قرض دینے کے وعدے پر بھی کوئی شے رہن رکھوائی جا سکتی ہے، مثلاً کسی نے وعدہ کیا کہ ایک ہزار قرض دوں گا بشرطیکہ اپنا مکان رہن دیجیے، اس وعدے پر مکان رہن رکھ دیا تو یہ درست ہوگا۔ (۵)

ایسی شے جس کے کئی مالک ہوں یعنی وہ مشترکہ ملکیت ہو اور اس کے شرکاء کے حصّوں میں امتیاز کرنا ممکن نہ ہو، یہ عقد شرکاء میں سے کسی نے کیا یا کسی اجنبی نے، دونوں صورتوں میں ایسی شے کا رہن رکھنا درست نہ ہوگا۔

وہ شے جس کو رہن رکھوایا جائے اس پر قبضہ کرنا مرتہن (جس کے پاس گروی رکھوایا جائے) کے اختیار میں ہو، لہٰذا کسی پھل کا بغیر درخت کے اور کسی کھیتی کا بغیر زمین کے رہن رکھنا درست نہ ہوگا۔ ایسے مکان کا رہن بھی درست نہیں جس میں مالک کا سامان موجود ہو اور وہ سامان نکالنے سے قبل ہی گروی رکھنے والے کے حوالے کردے۔

ایسی تمام اشیا کا رہن رکھنا جائز نہیں جن کا کوئی مالک نہ ہو یعنی مباح اشیا۔ رہن کے لیے یہ ضروری نہیں کہ رہن رکھوانے والا رہن رکھی جانے والی شے کا مالک ہو، لہٰذا ایک شخص کسی دوسرے کی مملوکہ شے کو بطورِ رہن رکھ سکتا ہے لیکن اس صورت میں جب اُس شخص کو مال پر تصرّف کا حق حاصل ہو، جیسے ولی اپنے نابالغ یا کم عقل بچے کی شے کو رہن رکھ سکتا ہے، ادھار لی ہوئی شے اس کے مالک کی اجازت سے رہن رکھوائی جا سکتی ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنے کسی دوست یا رشتے دار وغیرہ سے اُدھار شے لی اور اسے اپنے قرض کے عوض رہن رکھ دیا تو یہ رہن درست ہوگا بشرطیکہ مالک کی اجازت ہو۔ شے کا مالک جو مدت مقرر کردے اس کی پابندی کرنا لازم ہوگا اس کی مخالفت کرنے کی صورت میں اُدھار دینے والے کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ اُس شے کو واپس لے کر اس عقد کو منسوخ کردے۔(۶)

مال رہن پر قبضہ اُس صورت میں درست ہوگا جب مالک نے اس بات کی اجازت دی ہو مثلاً وہ یہ کہے کہ گروی شے پر قبضے کی اجازت دے یا یوں کہے کہ میں اس شے پر قبضہ کی آپ کو اجازت دیتا ہو۔ اس وضاحت کے بعد گروی رکھنے والا شے پر قبضہ کر سکتا ہے دوسری صورت میں شے کا مالک خاموشی سے اس شے پر قبضے کی اجازت دے تو بھی درست ہوگا، لیکن اگر گروی رکھنے والے نے شے پر اس طرح قبضہ کیا کہ رہن کی شرائط میں سے کوئی شرط پوری نہ ہو تو یہ قبضہ ناقص اور عقد باطل ہوگا۔

رہن شدہ شے سے نفع کی ناجائز صورتیں:

وہ اشیا جو رہن رکھوائی جائیں خواہ وہ مال ہو یا اراضی زرعی، اس مال سے نفع حاصل کرنا راہن اور مرتہن دونوں کو جائز نہیں۔ حنفی علما کے نزدیک مرہونہ شے کے مالک کو رہن رکھی ہوئی شے سے کسی قسم کا فائدہ لینا جائز نہیں جب تک رہن رکھنے والا شخص اس بات کی اجازت نہ دے، اسی طرح رہن رکھنے والے کو شے کے مالک کی اجازت کے بغیر نفع حاصل کرنا جائز نہیں مثلاً رہن شدہ مکان میں خود رہے یا اُسے کرائے پر دے۔ شے کا مالک نفع کی اجازت اپنی خوشی سے دے اور اس کا ایسا کرنا محض حسنِ سلوک کے طور پر ہو تو اس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے، اور جب وہ اس شے سے نفع کو منع کر دے اس وقت رہن رکھنے والے پر لازم ہے کہ فوراً اس کے حکم کی پابندی کرے اور اس شے کو صرف رہن کے طور پر اپنے پاس رکھے۔

عقد کے وقت ہی یہ شرط طے کر لی کہ قرض دینے والا یہ کہے میں یہ قرض تمہیں اس شرط پر دوں گا کہ جب تم رہن رکھی ہوئی شے سے فائدے کی اجازت دو گے اور قرض دار مجبوراً اس شرط کو قبول کر لیتا ہے اس صورت میں بھی مرتہن کو نفع حاصل کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ اجازت مجبوراً لی گئی ہے۔(۷)

اسی طرح رہن رکھے ہوئے مال کو اس کے مالک کی اجازت سے مرتہن نے بیچ دیا تو یہ بیع نافذ نہ ہوگی، جب تک راہن (شے کا مالک) اس فروخت کی اجازت نہ دے، بغیر اجازت ایسا کیا گیا تو شے کے مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس بیع کو منسوخ کر دے اور اس مال کو پھر مرتہن کے پاس رہن رکھوا دے، اسی طرح رہن رکھے ہوئے مال کو راہن، مرتہن کی اجازت کے بغیر فروخت کر دے تو اس فروخت پر عمل درآمد نہیں ہوگا، البتہ مرتہن کو اس بیع کے منسوخ کرنے کا اختیار حاصل نہیں بلکہ خریدار کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اس رہن کی مدت ختم ہونے کا انتظار کرے بشرطیکہ اسے خریدنے سے قبل اس کا علم نہ ہو کہ یہ مال رہن کا ہے یا نہیں۔

شے کا مالک مرتہن کو فروخت کی اجازت دے بھی تو اس مالِ رہن کو فروخت کر کے جو قیمت مرتہن حاصل کرے وہ قیمت اپنے پاس رہن رکھ لے، اس صورت میں یہ قیمت اصل شے کے بدلے رہن رکھی جائے گی۔ مرتہن اس رہن رکھی ہوئی شے کا اس وقت تک ذمّے دار ہے جب تک وہ مال اُس کے پاس ہے۔ وہ مال یا شے مالک کے پاس جا کر ضائع ہوگئی تو اس صورت میں مرتہن اس کا دین دار نہیں اور نہ ہی اس مال کے تلف ہوجانے کی صورت میں قرض کی وصولی میں کوئی کمی ہوگی۔ اگر راہن مرتہن کو اس بات کی اجازت دے کہ وہ رہن رکھا مال کسی کے پاس بطور امانت رکھوا دے اور وہ شے امانتی کے پاس سے تلف ہوجائے تو اس صورت میں وہ قرض میں محسوب ہوجائے گا۔(۸)

امام احمد رضا کی عقدِ رہن سے متعلق تحقیقات:

امام احمد رضا نے عقدِ رہن سے متعلق اپنی تحقیقات کو فتاوٰی رضویہ میں بیان کیا ہے۔ عقدِ رہن میں گروی رکھی ہوئی شے سے مرتہن اور راہن دونوں کو کس قدر نفع لینے کا حق ہے، آپ نے اس خاص مسئلے پر تفصیلاً بیان فرمایا۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ شریعتِ مطہرہ نے عقدِ رہن کی اجازت اس غرض سے دی ہے کہ قرض دینے والے کو اس بات کا مکمل اطمینان حاصل ہوجائے کہ اس کی دی ہوئی رقم اس کو واپس مل جائے گی۔ اس قرض کے عوض قرض خواہ کے پاس جو شے گروی رکھی ہوئی ہے اس شے کو اپنے استعمال میں لانا یا اس سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا جائز نہیں، بلکہ اگر وہ اس گروی رکھی ہوئی شے کو اپنے کسی فائدے کے لیے استعمال کرے تو وہ خدا تعالیٰ کی بارگارہ میں غاصب اور گناہ گار ٹھہرے گا۔

مزید لکھتے ہیں کہ گروی شے سے نفع حاصل کرنے کی جو صورتیں ہمارے ہاں رواج پا چکی ہیں جن کے تحت گروی رکھی ہوئی شے سے نفع حاصل کرنا مرتہن (جس کے پاس گروی رکھوائی جائے) اپنا حق سمجھتا ہے اور شے کا مالک مجبوراً اُس شے سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دیتا ہے، ایسی سب صورتیں قطعی حرام ہیں اور یہ نفع حاصل کرنا حرام اور سود میں شمار ہوگا۔ آپ نے اس کی درج ذیل صورتیں بیان کی ہیں:

۱۔ جب کوئی شخص قرض کے عوض اپنی کوئی شے قرض خواہ کے پاس گروی رکھوا دیتا ہے تو اس صورت میں قرض دار مجبوراً قرض کے دباؤ کی وجہ سے اپنی گروی رکھی ہوئی شے سے نفع اٹھانے کی مرتہن کو اجازت دے دیتا ہے۔ بلکہ عقد کے وقت یہ شرط عائد کی جاتی ہے کہ ہم تم کو اس وقت تک قرض نہیں دیں گے جب تک تم اپنی گروی شے سے نفع اٹھانے کی اجازت نہیں دو گے اور قرض دار مجبوراً اس شے سے نفع کی اجازت دے دیتا ہے، یہ صورت قطعاً حرام ہے۔

۲۔ بعض اوقات گروی رکھی ہوئی شے کو اس کا مالک ہی مرتہن سے کرائے پر حاصل کر لیتا ہے یہ صورت بھی قطعاً ناجائز ہے، کیوں کہ مالک کا اپنی ہی مِلک کو دوسرے سے کرائے پر لینا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا اور نہ ہی گروی رکھنے والے کو جائز ہے کہ وہ اس شے کو کرائے پر دے کر نفع حاصل کرے، بلکہ گروی رکھی شے سے جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔(۹)

۳۔ بعض اوقات عقد کے وقت راہن اور مرتہن آپس کی رضامندی سے کوئی منفعت طے کر لیں تو یہ منفعت محض احسان و مروت کے طور پہ طے ہوئی، اس کا طے ہونا حسنِ سلوک کے طور پر ہے نہ کہ قرض کی شرط پر، اور عقد کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں پہلی یہ کہ عقد کے وقت ہی قرارداد طے ہو جائے کہ نفع حاصل کریں گے، دوسری یہ کہ عقد کے وقت زبان سے اقرار نہ کیا جائے بلکہ خاموشی ہی اختیار کی جائے مگر اس علاقے کے رواج کے مطابق گروی شے سے نفع اٹھانا مشہور و معروف ہو، ان دونوں صورتوں میں نفع اٹھانا حرام ہے۔(۱۰)

۴۔ گروی رکھنے والا شخص شے کے مالک سے اجازت لے کر اُسے کرائے پر دے اور کرایہ خود حاصل کرے تو مرتہن کے لیے وہ کرایہ لینا ناجائز ہوگا بلکہ وہ کرایہ مالک کا ہوگا۔

۵۔ رہن رکھی شے سے نفع حاصل کیا جائے یا اُسے کرائے پر دیا جائے اور شے کے مالک کو بعد میں اس حقیقت کا علم ہو اور وہ سارا حاصل کیا ہوا نفع گروی رکھنے والے کو ہبہ کر دے یا معاف کر دے تو اس کے معاف کرنے اور ہبہ سے بھی کچھ فرق نہیں پڑے گا بلکہ یہ منافع مرتہن کو

کھانا حرام ہے۔اسے چاہیے کہ وہ اُس شے کے مالک کو ادا کردے یا پھر اس منافع کو صدقہ وخیرات کردے،اُس مال کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔(۱۱)

امام احمد رضا سے سوال ہوا کہ کچھ لوگ ایک قطعہ زمین کے مالک تھے،انہوں نے یہ زمین رہن کی،زرِ رہن خود لے لیا اور زمین پر قبضہ مرتہنان کو دے دیا،رہن نامہ میں یہ لکھ دیا کہ ہم نے اس زمین کا منافع گروی رکھنے والوں کو ہبہ کردیا یا بخش دیا،ان اشخاص میں سے جنہوں نے زمین رہن کی اکثر لوگ فوت ہوگئے،ان کے فوت ہونے کے بعد گروی رکھنے والوں نے منافع زائد از مقدارِ زرِ رہن کے حاصل کیا،رہن کے مالکان کے وارث مرتہنان کو بغیر قرض ادا کیے اپنی زمین واپس لے سکتے ہیں یعنی جو منافع مرتہنان نے حاصل کیا وہ قرض میں سے منہا کرکے اپنی زمین واپس لے سکتے ہیں؟

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ رہن رکھی شے سے نفع کو زمین کے مالکان ہبہ کردیں اس صورت میں بھی وہ نفع حاصل کرنا ان کو جائز نہیں؛ راہنوں کی اجازت اس عرف ورواج پر مبنی ہے کہ وہ قرض کے دباؤ سے اپنی گروی رکھی ہوئی شے سے نفع کی اجازت دیتے ہیں اور وہ ضرور زمین کے مالکوں کو مجبور کرکے دستاویز تحریر کروالیتے ہیں اس تحریر کے بعد بھی مالکان زمین سے فائدہ اٹھانے سے منع کریں وہ باز نہیں آتے بلکہ اس وقت تک نفع حاصل کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں جب تک وہ لوگ قرض ادا کرکے اپنی زمین واپس نہیں لے لیتے،ایسی صورتیں قطعاً ناجائز اور حرام ہیں۔

۶۔ گروی رکھی ہوئی شے کے مالک کے فوت ہوجانے کی صورت میں جب کہ اس کا کوئی بھی وارث موجود نہ ہو جس کو اُس شے کا مالک بنایا جاسکے،اس صورت میں مرتہن پر لازم نہیں ہے کہ وہ گروی رکھی ہوئی شے کو اپنی ملک میں لے،مرتہن کسی بھی صورت رہن رکھی شے کا مالک نہیں ہوسکتا،اس پر لازم ہے کہ اس نے جو قرض کی رقم اس شخص کو دی تھی اس گروی رکھی ہوئی شے کی مالیت سے اپنے قرض کی رقم نکال کر باقی جو بچے وہ فقراء کو صدقہ کردے لیکن اُس گروی رکھی شے

کی مالیت اس کے قرض کی رقم سے کم ہو یا برابر ہو اس صورت میں مرتہن اس گروی شے کو یا اس رقم کو اپنے قرض میں لے سکتا ہے۔(۱۲)

۷۔ رہن نامہ میں درج کیا جاتا ہے کہ قرض دار جب تک قرض کی رقم ادا نہیں کرے گا اس کی جو شے گروی رکھوائی ہے مرتہن جس طرح چاہے خود استعمال کرے، یا کسی دوسرے کو کرائے پر دے اگر شے کا مالک ایسا کرنے کی اجازت نہ دے تو مرتہن یہ عذر بیان کرتے ہیں کہ ہمارا قرض واپس کرو یا اس شے سے نفع حاصل کرنے دو جب تم قرض ادا کردو گے اس وقت یہ شے تمہیں واپس مل جائے گی، یہ صورت قطعاً حرام ہے۔(۱۳)

۸۔ ایک شخص کسی دوسرے سے قرض لے کر اس روپیہ کی ضمانت میں ایک تحریر لکھتا ہے جس میں روپیہ کی ضمانت میں اپنی کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ تحریر کی جاتی ہے یعنی لکھا جاتا ہے کہ میں نے اپنی جائیداد تیرے دَین میں مکفول کی اسے کفالت یا استغراق کہتے ہیں۔ یہ شرعاً باطل ہے۔(۱۴)

جوازِ نفع کی صورت:

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ گروی رکھی ہوئی شے کی شرعی صورت تو یہی ہے کہ مرتہن اُس شے پر قبضہ رکھے اور اس شے سے کسی قسم کا نفع حاصل نہ کرے۔ نفع حاصل کرنے کی جائز صورت یہ ہے کہ گروی رکھی شے کا مالک نہ کسی قرض کے دباؤ کی وجہ سے نہ مرتہن کی طرف سے کوئی شرط عائد کرنے کی وجہ سے مرہونہ (گروی رکھی ہوئی شے) سے نفع اٹھانے کی اجازت دے بلکہ اُس کا اجازت دینا محض حسن سلوک کے طور پر ہو کہ وہ اس کو کہہ دے کہ جب تک چاہو تم اس شے سے نفع حاصل کر سکتے ہیں ایسا کرنا راہن کی مرضی پر موقوف ہو، وہ صرف خالص نیت سے اپنی خوشی سے صرف بطور احسان اُسے اجازت دے، نہ مرتہن اس پر قرض کا دباؤ ڈالے، نہ ہی اُسے ایسا کرنے پر مجبور کرے۔

مثال کے طور پر راہن نے جو مکان قرض کے عوض گروی رکھوایا ہے اس مکان میں مرتہن کو رہنے کی اجازت دے، اس طرح اس میں رہائش اختیار کرنا مرتہن کو جائز ہوگا اور وہ اس مکان میں اس مخصوص عرصے تک مالک کی رضا مندی سے رہے اور جب مالکِ مکان یہ کہے کہ تمہارا رہنا مجھے منظور نہیں یا میرا مکان خالی کر دو اُس صورت میں مرتہن پر لازم ہے کہ وہ مالک کے کہنے کے مطابق عمل کرے یہاں تک کہ مالک اُس کو کہے کہ میرے گھر سے نکل جاؤ تو فوراً مرتہن بلا عذر چلا جائے۔(۱۵) نہ کہ وہ یہ عذر بیان کرے کہ جب میرا قرض واپس کرو گے اس وقت مکان بھی خالی کر دوں گا، یہ قطعاً حرام ہے اور اس مکان میں رہنا مرتہن کے لیے جائز نہیں ہے۔

دخلی رہن:

دخلی رہن کی صورت قطعاً حرام ہے۔عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے قرض دینے والا یہ کہتا ہے کہ جب تک تم قرض ادا نہیں کرو گے اس وقت تک مجھے یہ حق حاصل ہے کہ جس طرح چاہوں اس شے سے نفع حاصل کروں یعنی اگر دکان یا مکان رہن رکھوایا تو وہ اس مکان یا دکان کی اپنے پاس سے مرمت کروائے، اس سے فائدہ حاصل کرے یا اسے کرائے پر دے کر کرایہ اپنے پاس رکھے اور قرض دار سے یہ شرط کر لیتا ہے کہ جب میرا قرض ادا کر دو گے اس وقت دکان یا مکان تمہیں واپس کر دوں گا۔

آپ فرماتے ہیں یہ منافع کھانا اور گروی رکھی شے سے نفع اٹھانا حرام ہے اور قرض دار سے یہ شرط کر لینا کہ جب قرض ادا کرو گے اس وقت تک اس کا نفع میرا حق ہے۔ یہ دخلی رہن کی صورت ہے اور یہ سود ہے۔ ہر وہ قرض جس کے ذریعے منفعت حاصل کی جا سکے وہ سود ہے۔

اس طرح رہن رکھی ہوئی زمین سے رہن رکھنے والے کو منفعت حاصل کرنا، اس میں کھیتی کرنا یہ سب حرام ہیں۔(۱۶)

خلاصہ یہ ہے کہ امام احمد رضا نے عقدِ رہن سے متعلق مسائل کو بیان کر کے ناجائز صورتوں کی نشاندہی کی اور ساتھ ہی جواز کی صورت بھی بیان فرمائی۔قرض دینے والا مرہونہ شے کا

مالک نہیں اور نہ ہی وہ اس شے کو اپنے استعمال میں لاکر اس سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے، نہ ہی اس شرط پر قرض دے سکتا ہے کہ رہن شے سے جب تک چاہوں فائدہ حاصل کروں کہ شے کا مالک مجبوراً اُسے اس سے فائدہ کی اجازت دے دیتا ہے۔ایسی تمام صورتیں ناجائز وحرام ہیں۔مرہون شے کا مالک فوت ہوجانے کی صورت میں بھی رہن رکھنے والا اس شے کا مالک نہیں بن سکتا۔مالک وہ منافع رہن والے کو ہبہ کردے یا معاف بھی کردے اس صورت میں بھی رہن رکھنے والا اس منافع کا مالک نہیں بن سکتا،اس طرح دخلی رہن کی صورت بھی قطعاً حرام اور سود ہے۔

جس طرح رہن رکھنے والے کو کسی قسم کا نفع حاصل کرنا یا اُسے اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں اور وہ نفع سود اور حرام کے معنوں میں آتا ہے،اسی طرح رہن رکھی شے کے مالک کو بھی اس شے سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

دورِ حاضر میں یہ جو صورتیں رہن کی رائج ہیں ان کو امام احمد رضا کی تصریحات سے مدد لے کر موافقِ شرع بنایا جاسکتا ہے۔رہن رکھی ہوئی شے پر رہن رکھنے والے کا قبضہ ضروری ہوتا ہے، جبکہ جائیداد کے کاغذات کو رہن کے طور پر رکھ کر جو قرضے دیے جاتے ہیں اس صورت میں گروی جائیداد پر قبضہ نہیں ہوتا اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مالک اس سے فائدہ حاصل کرتا رہتا ہے۔

شریعت کے مطابق گروی شے رکھنے والا اُس شے کو قائم رکھنے کا پابند ہوتا ہے، شے کے مالک کی اجازت کے بغیر اسے فروخت کرنے کا حق نہیں رکھتا۔موجودہ صورت میں اجازت تو درکنار، خود بخود اس شے کو فروخت کر کے قرضے کی رقم وصول کرلی جاتی ہے۔جیسے بینکوں میں زیورات، جائیداد کو فروخت کرنا وغیرہ۔اسی طرح امام احمد رضا کی تحقیق کے مطابق رہن کی مدت کا تعین اس عقد کو باطل کردیتا ہے۔دورِ جدید میں جو مدت متعین کی جاتی ہے یا معینہ مدت تک قرضے کی وصولی نہ ہونے کی صورت میں گروی رکھی جائیداد کو بیچا جاتا ہے، ان تمام معاملات کو اسلامی طریقہ کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اعظمی، امجد علی، مولانا، بہارِ شریعت، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، س۔ن، ص:۱۹
الجزیری، عبدالرحمن، کتاب الفقہ، بیروت: دار احیائی، العربی س۔ن، ج:۳، ص:۲۲۲

۲۔ البقرہ:۲۸۳

۳۔ البقرہ:۲۸۲

۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرھن، باب من رھن درعہ، رقم الحدیث:۲۳۳۱

۵۔ اعظمی، امجد علی، بہارِ شریعت، ص:۱۹

۶۔ الجزیری، عبدالرحمن، کتاب الفقہ، ص:۲۲۹

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ بریلوی، احمد رضا خان، مولانا، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، لاہور: رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ، ج:۲۵، ص:۲۲۱

۱۰۔ ایضاً، ص:۲۲۳

۱۱۔ ایضاً، ص:۲۵۹

۱۲۔ ایضاً، ص:۲۴۱

۱۳۔ ایضاً، ص:۲۵۸

۱۴۔ ایضاً، ص:۲۷۴

۱۵۔ ایضاً، ص:۲۲۳

۱۶۔ ایضاً، ص:۳۰۲

ملتِ اسلامیہ کے دفاع میں عثمانی ترکوں کی خدمات

ذاکرہ پروین☆

ABSTRACT:

The Ottoman Empire is the most glorious and magnificent empire in the history of Islam. It was the most popular as compared to Umayyad's and Abbasids. Turk Sultan's history is eloquent testimony for this as reported and praised by a number of researchers and scholars. The Ottomans were though Hanafi followers but there was no demolition of other Sunni sects and even the "Zimmis" especially Jews and Christians felt much safer in their state. They united the Jihadist groups resisting against the brutality of Europeans and utilized their power against the enemy. The structure of government consisted of the Caliph, assisted by The President and the Sheikh-ul-Islam. The responsibilities of Sheikh-ul-Islam were judiciary and religious issues and he was never disobeyed even by Caliph.

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں بعض ایسی سلطنتیں قائم ہوئیں، جنہوں نے سیاسی استحکام کے باعث ناقابل فراموش کارنامے انجام دیئے اور اسلام کی سربلندی کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انہیں سلطنتوں میں ایک سلطنتِ عثمانیہ بھی شامل ہے۔ ترکانِ عثمانیہ کی غیر معمولی شہرت کے مختلف اسباب ہیں۔ اس عظیم سلطنت کے متعدد حکمرانوں نے اپنے زیرِ نگیں

☆ پی ایچ ڈی سکالر (سیشن ۲۰۱۱۔۲۰۱۴ء)

علاقوں کے انتظام وانصرام کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم وفنون کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اسی بنا پر سلاطین عثمانیہ، خلافت عباسیہ کے بعد ہماری تاریخ میں درخشندہ باب کی حیثیت رکھتے ہیں اوران کی سلطنت اور خاندان کو اہم ترین مقام حاصل ہے۔

قیام سلطنت عثمانیہ کے وقت بغداد کی عباسی خلافت تاتاریوں کے حملے سے نیم جاں ہوچکی تھی اوراس کا چراغ گل ہونے کے قریب تھا۔ اسی طرح تمام اسلامی مشرقی ریاستیں بھی تاتاریوں کی غارت گری سے نہایت کمزور وناتواں ہوچکی تھیں۔ خود ایشیائے کوچک (اناطولیہ) میں سلجوقی سلطنت بھی فنا ہوکر چند چھوٹی چھوٹی امارتوں میں منقسم ہوکر رہ گئی تھی۔ یہ چند چھوٹی ریاستیں بھی باہم دست وگریباں تھیں۔ انہی حالات میں آلِ عثمان نے اپنی شجاعت ومردانگی سے ان متفرق ریاستوں میں سے اُبھر کر سلجوقی سلطنت کے کھنڈرات پر ''دولت عثمانیہ'' کی بنیاد رکھی جس سے اسلام کی عظمت رفتہ لوٹنے لگی اور پھر اسلام کا گیا ہوا جلال اپنی تمام تر رفعتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگیا۔ ان ترکوں نے اپنی شجاعت وبصیرت اور عالی حوصلگی سے فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع کیا کہ اسلام یورپ میں داخل ہوگیا۔ سلطان محمد ثانی (۱۴۵۱ء-۱۴۸۱ئ) نے قسطنطنیہ کو فتح کرکے اسلام کی سات سو سالہ قدیم آرزو پوری کی۔ سلطان سلیم اوّل (۱۵۱۲ء-۱۵۲۰ئ) نے شام اور مصر کو فتح کرکے سارے عرب کو عثمانی قلمرو میں شامل کیا اور عباسی خلیفہ المتوکل (۹۲۳ھ) کی پیش کش اور عنایت پر خلافت کا تاج اپنے سر پر رکھا اور خادم الحرمین الشریفین کا لقب پہلی بار اختیار کیا۔ اس کے بعد سلطان سلیمان اعظم القانونی (۱۵۲۰ئ-۱۵۶۶ئ) نے ایک طرف اسلام کے پرچم کو وسطِ یورپ میں ویانا کی فصیل تک پہنچا دیا تو دوسری طرف افریقہ میں الجزائر بلکہ مراکش تک عثمانی ہلالی پرچم کی دھاک بٹھا دی۔ اس زمانے میں عثمانی سلطنت نہ صرف اپنی بری اور بحری قوت بلکہ وسعت کے لحاظ سے اپنے زمانے کی سب سے بڑی سلطنت ہوگئی جس کی حدود بوڈاپسٹ سے دریائے نیل تک اور دریائے فرات سے جبل الطارق تک پھیل گئیں۔

سلاطین عثمانیہ کی جملہ جنگی کارروائیاں اور فتوحات کسی اقتصادی، عسکری یا ثقافتی برتری یا کسی دوسری مصلحت کے لیے نہ تھیں بلکہ ان کی غرض وغایت سوائے احیائے کلمۃ الحق اور ترویج اسلام کے اور کچھ نہ تھی۔ وہ جانتے تھے اور ان کا ایمان تھا کہ اسلام کی نشر واشاعت ایک مقدس فریضہ ہے۔ وہ نہایت سنجیدہ اور وسیع فکر ونظر کے مالک تھے۔ اس عظیم اسلامی سلطنت کے بانی سلطان عثمان خان نے اپنی حکومت کی بنیاد اقتدار کی محبت پر نہیں بلکہ اسلام کی اشاعت کی محبت پر رکھی تھی۔

بانی سلطنت عثمانیہ کی بعض اعلیٰ صفات جو درحقیقت ایمان، روز محشر کی تیاری، اہل ایمان کے ساتھ محبت، اہل کفر وعصیان سے نفرت اور جہاد فی سبیل اللہ اور دعوتِ حق کے ساتھ ان کی محبت کا طبعی ثمرہ تھیں۔ ''الدولۃ العثمانیۃ'' کے مصنف ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی نے اس کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے، لکھتے ہیں:

> ''یہی وجہ ہے کہ سلطان عثمان اپنی فتوحات میں ایشیائے کوچک کے علاقہ میں رومی حکمرانوں سے تین میں سے ایک چیز اختیار کرنے کا مطالبہ کرتے تھے:
> (۱) اسلام قبول کریں۔ (۲) جزیہ دیں (۳) یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔
> اسی وجہ سے بعض لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور بعض نے جزیہ دینے پر صلح کر لی لیکن جن لوگوں نے نہ اسلام قبول کیا اور نہ ہی جزیہ دینے پر راضی ہوئے، عثمان نے ان کے خلاف جہاد کیا اور اس میں کسی سستی کا مظاہرہ نہ کیا اور اس طرح رومیوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے بہت سے علاقوں کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔''(۱)

سلطان عثمان خان نے غلبہء دینِ اسلام اور تحفظ ودفاعِ اسلام کے لیے ساری زندگی جہاد کیا اور بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ اس بانی سلطان کی زندگی میں ایمان باللہ اور فکر آخرت کے باعث بڑی سنجیدگی اور جاذبیت پائی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے اس کی قوت اس کی عدالت پر، اس کا اقتدار اس کی رحمت پر اور اس کا غنا اس کی تواضع پر غالب نہ آ سکا۔ اللہ رب

العزت نے حسن تدبر اور صائب الرائے، کثرت افواج اور رعب و دبدبے کے لحاظ سے اس کو ایشیائے کوچک میں وہ عزت وتوقیر بخشی کہ اس زمانے میں کوئی اس کا ثانی نہ تھا۔

ڈاکٹر صلابی مزید لکھتے ہیں:

''دعوت الی اللہ کی محبت کے سبب انہوں نے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ انہوں نے اپنی تلوار خارہ شگاف کے ذریعے جہاں عظیم فتوحات حاصل کیں وہاں ایمان اور حسن کردار کے ذریعے دلوں کو مسخر کیا۔ جب بھی کسی قوم پر غلبہ حاصل ہوا اسے حق، اور ایمان باللہ کی دعوت ضرور دی۔ وہ اپنی سلطنت کے تمام علاقوں اور شہروں میں اصلاحی کاموں کے حریص تھے۔ انہوں نے حق اور عدل وانصاف کی حکمرانی عام کرنے کی کوشش کی۔ انہیں اہل ایمان سے گہری محبت اور سچی لگن تھی اور جس طرح وہ اہل ایمان کو دل وجان سے چاہتے تھے اسی طرح اہل کفر وعصیان سے بیر رکھتے تھے۔''(۲)

ترکوں کی خدماتِ تحفظ ودفاعِ اسلام کے حوالے سے ہندوستان کے معروف اسکالر ڈاکٹر محمد عزیر اپنی کتاب ''دولت عثمانیہ'' میں رقم طراز ہیں:

''ترکوں نے اسلام کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، دفاع وجہاد کے فرض کو جس سرفروشی سے ادا کیا ہے اس کا اعتراف جتنی بار بھی کیا جائے کم ہے۔''(۳)

ماہنامہ اُردوئے معلیٰ کے فاضل مقالہ نگار نے دیگر اسلامی سلطنتوں کے مقابلے میں سلطنت عثمانیہ کی بعض امتیازی خصوصیات شمار کروائی ہیں۔ ان خصوصیات میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے مطالعہ سے ترک سلاطین کی تحفظِ اسلام ودفاعِ اہل اسلام کے بارے میں اہم معلومات واضح ہوجاتی ہیں۔ موصوف رقم طراز ہیں:

''۱- اس نے ایسی عظیم الشان فتوحات حاصل کیں جو دوسری اسلامی سلطنتوں کو نہیں نصیب ہوئیں۔ خاص کر فتح قسطنطنیہ، کیونکہ بنی اُمیہ اور نیز بنی عباس ہمیشہ اس کو فتح

کرنے کی کوشش میں رہے۔لیکن ان کو غلبہ نہ ہوسکا اس عظیم الشان فتح کو جدید اُصولِ تمدن سے بہت کچھ تعلق ہے۔ کیوں کہ نئی روشنی کا دھندلا اُجالا پہلے اسی شہر کی چاردیواریوں میں محصور تھا جو بعد کو نکل کر آفتاب کی طرح نورانی ہوگیا۔

۲- اسلامی بادشاہوں میں سب سے پہلے سلاطین عثمانیہ ہی نے یورپ کی طرف رُخ کیا اوراس کو فتح کیا۔ بنی اُمیہ نے اگرچہ اندلس (اسپین) کو فتح کیا تھا لیکن اس کے بعد وہ قسطنطنیہ ہی کی فتح کی اُدھیڑ بن میں لگے رہے۔ اگر اس وقت وہ ذرا بھی کوشش کرتے تو تمام یورپ اُنہیں کا تھا اس لیے کہ یورپ کی حالت اس وقت نہایت سقیم تھی اور کوئی طاقت تمام ملک میں ایسی موجود نہ تھی جو بنی اُمیہ کی فتوحات میں برائے نام بھی رکاوٹ پیدا کرسکتی اور عثمانیوں نے خصوصیت کے ساتھ یورپ کی طرف توجہ کی اور باوجود اس کے کہ صلیبی جنگ نے اہل یورپ کو بیدار کردیا تھا اور ان کی حالت بہت کچھ سنبھل گئی تھی لیکن پھر بھی عثمانیوں نے بہت بڑا حصہ یورپ کا اپنے قبضہ میں کرلیا۔

۳- سلاطین عثمانیہ نے باوجود اس کے کہ اہل عرب میں سے نہ تھے۔ ان کی خلافت پر بیعت کی گئی۔ حالانکہ دوسرے اسلامی سلاطین مثلاً محمود غزنوی، تیمور لنگ وغیرہ کو اگرچہ ان کے ملک بہت وسیع تھے اور ان کی خواہش بھی تھی لیکن یہ درجہء خلافت نہ حاصل ہوسکا۔

۴- اس نے (سلاطین عثمانیہ نے) اسلامی عظمت کی بہت کچھ نگہداشت کی اور اگر یہ سلطنت قائم نہ ہوتی تو اسلامی سلطنت کا چراغ دنیا سے کبھی کا گل ہوچکا ہوتا۔ اس نے نہ صرف دوسری قوموں کے حملے سے اس کو محفوظ رکھا بلکہ اسلام کو توڑنے والی طاقت کو توڑا، خاص کر مغل اور اہل یورپ کو۔''(۴)

نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ترکانِ عثمانیہ کی چار سو سالہ خلافت کے دوران ایک بھی مدمقابل ان کے مقابلے میں نہ اُٹھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد رقم طراز ہیں:

''بنواُمیہ اور عباسیہ کے عہدوں میں بے شمار رقیبوں اور دعوے داروں کی کش مکش نظر آتی ہے۔ لیکن سلاطین عثمانیہ کی خلافت کی پوری تاریخ میں کسی ایک مدعی خلافت کا نام بھی ڈھونڈ کر نہیں نکالا جا سکتا، حکومت کے دعوے دار سینکڑوں اُٹھے ہوں مگر اسلام کی مرکزی خلافت کا دعویٰ کوئی نہ کر سکا۔''(۵)

آغازِ اسلام میں دشمنانِ اسلام کی سب سے پہلی جماعت مشرکین مکہ کی تھی، ان سے نمٹ لینے کے بعد سے آج تک صرف عیسائی اور یہودی اقوام ہی ایک تسلسل کے ساتھ مسلمانوں کی دُشمن رہی ہیں۔ ان میں سے بھی تیرہ سو برس تک یہودی، کوئی سیاسی قوت نہ ہونے اور مستقل اقتدار و حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اس وسیع پیمانے پر مسلمانوں کے حریف نہیں رہے جس قدر کہ عیسائی سلطنتیں۔ ان عیسائی سلطنتوں میں بھی شام وغیرہ تمام مشرقی ریاستیں تو اسلام کے ابتدائی زمانے میں ہی مفتوح ہو چکی تھیں۔ دیگر غیر مسلم اقوام و ملل میں کوئی قوم ایسی نہیں تھی جو مسلمانوں پر حملہ آور ہوتی۔ ایران کی مجوسی قوت کا بھی آغازِ اسلام ہی میں خاتمہ ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے ہندوؤں اور بدھ متوں کو بھی ہندوستان سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت کبھی نہ ہوئی۔ البتہ چین کے تاتاریوں (منگولوں) نے مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر غارت گری اور تباہی و بربادی کی وہ داستانیں رقم کیں کہ جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان کے سیل بے اماں کے سامنے سب کچھ خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا۔ لیکن بالآخر وہ خود اسلام کے مطیع و محکوم بن گئے یعنی ایک صدی کے اندر اندر تاتاری اسلام قبول کر کے ملت اسلامیہ کا جزو بن گئے۔

گویا دنیا بھر میں روئے زمین پر سوائے نصاریٰ کے اسلام کا کوئی حریف ایسا نہیں تھا جو مسلمانوں پر حملہ آوری کی جرأت کر سکے۔ مشرقی عیسائیوں کی شکست کے بعد جو کہ ابتدائے اسلام میں ہی ہو چکی تھی اب صرف مغربی یعنی یورپی قومیں ہی ایسی تھیں جو ان آخری چار صدیوں

میں نہ صرف یہ کہ علمی وسائنسی اعتبار سے ترقی کرتی گئیں بلکہ ان کی اسلام دشمنی اور تعصب بھی ترقی کرتا رہا جب کہ اس کا افسوس ناک دوسرا پہلو یہ تھا کہ اسلام کی سیاسی قوت روز بروز فزوں تر اور روبہ زوال رہی۔

ان آخری چار صدیوں میں سوائے عثمانی ترکوں کے دنیا بھر میں کوئی مسلم قوم یا قوت ایسی نہ تھی جس نے اہل یورپ کا مقابلہ کیا ہو اور دفاع و جہاد کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے اس سب سے بڑے حریف (نصاریٰ) کے مقابلے میں حفاظت کی ہو۔ سولھویں صدی عیسوی ہی میں یورپ کی ان تمام سلطنتوں نے جو مشرقی ممالک سے قریب تھیں اپنے قدم ان کی جانب بڑھانا شروع کر دیئے تھے اور کوئی طاقت وقوت ایسی نہ تھی جو ان کو روک پاتی۔ یورپ کی مسیحی قوتیں تقریباً اڑھائی سو برس قبل ہی تمام وسط ایشیا، شام، عرب اور اسلامی افریقہ کو پامال کر چکی تھیں۔ ان حالات میں صرف ترکانِ عثمانیہ ہی کی ناقابل تسخیر فوجی قوت ایسی تھی جس نے سب سے پہلے تو تمام اہل یورپ کو نہ صرف یہ کہ دوسو برسوں تک سنبھلنے اور مستحکم ہونے کا موقع ہی نہ دیا بلکہ تمام ایشیا اور بلادِ اسلامیہ کے سامنے مسیحی مداخلت کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹ گئے اور ایک تسلسل کے ساتھ جہاد اسلامی کا پرچم سر بلند کئے رکھا۔

دفاع و جہاد کا یہ فریضہ مسلسل چار صدیوں تک تنہا ترکوں نے سرانجام دیا۔ اس دوران میں معاصر اسلامی سلطنتوں نے اس عظیم فریضہ سے ایسی روگردانی کی اور ایسی غفلت برتی کہ کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی نے مسیحی اقوام کی طرف ایک قدم بھی بڑھایا ہو۔ ہندوستان کی معاصر مغلیہ سلطنت نے اپنی پانچ سو سالہ تاریخ میں ایک مرتبہ بھی ہندوستان سے باہر قدم نہ نکالا اور نہ ان کی تلوار کسی غیر مسلم سلطنت کے خون سے رنگین ہوئی بلکہ اس کے برعکس اکبر اعظم کے عہد میں پرتگالی اور ڈچ قزاق ہندوستانی حاجیوں کو ساحل ہند پر ہی لوٹ لیتے اور ''شہنشاہِ اعظم'' ان کا کچھ بھی تدارک نہ کر سکے۔ اسی طرح دوسری معاصر ایرانی صفوی (اسلامی) سلطنت نے ہمیشہ سلاطین عثمانیہ کو عقبی حملے کر کے یورپی عیسائیوں سے جہاد کو ترک کر کے ایشیاء کی طرف

رُخ موڑنے پر مجبور کر دیا جس سے نا قابل تلافی نقصان ہوا کہ تمام وسطی یورپ فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔ جب کہ عرب امیروں اور یمن کے خود مختار قبائل کو تو شاید اپنے اس ازلی وابدی دشمن کا خیال تک بھی نہ آیا تھا۔ ترکوں کی حفظ اسلام کے حوالے سے قابل قدر خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''ہر انسان جو دو اور دو چار ہی کہنا چاہتا ہو، اس کا اقرار کرے گا کہ بجز سلاطین عثمانیہ اور ترکوں کے مسلمانوں کی کوئی حکومت اور قوم نہیں ہے۔ جس نے قرونِ اخیرہ میں حفظِ اسلام وملت کی یہ خدمت انجام دی ہو اور جو فرض تمام مسلمانانِ عالم کے ذمہ عائد ہوتا تھا۔ اس کو سب کی طرف سے تن تنہا اُٹھالیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کا یہ وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی نظیر قرونِ اولیٰ کے بعد مسلمانوں کی کسی حکمران قوم کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ صرف صلاح الدین ایوبی کی دعوت اس سے مستثنیٰ ہے جس نے تمام یورپ کے متحدہ مسیحی جہاد کو شکست دی۔ تاہم وہ بھی ایک محدود زمانے کا دفاع تھا۔''(۶)

ابوالکلام آزاد مزید لکھتے ہیں:

''مسلسل تین چار صدیوں میں تمام روئے زمین کے مسلمان اپنے سب سے بڑے قومی فرض سے غافل رہے۔ صرف تن تنہا ترک ہی دنیا بھر کے مسلمانوں کی جانب سے یہ پورا کام انجام دیتے رہے۔ ان قرون اخیرہ میں اگر ترکوں کی جانفروش وسر باز جماعت تن تنہا اس فرض کو نہ سنبھال لیتی تو نہیں معلوم آج جغرافیہ عالم میں مسلمانوں کی آبادیوں کا کیا حال ہوتا؟ تمام دنیا کے مسلمانوں پر ترکوں کا یہ وہ احسان عظیم ہے کہ اگر اس کے معاوضہ میں مسلمانانِ عالم اپنا سب کچھ ان پر سے قربان کر دیں جب بھی ان کے بارِ احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔''(۷)

''الدولۃ العثمانیہ'' کے مصنف ڈاکٹر علی محمد الصلابی نے سلطان محمد فاتح غازی کا ایک جواب نقل کیا ہے جو سلطان کو ایک عام سپاہی کی طرح بے پناہ مشقت کرتے دیکھ کر ایک بوڑھی اماں کے منع کرنے پر سلطان نے دیا تھا:

> ''اماں! اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ میں یہ تلوار اس لیے دی ہے کہ میں اس کے ساتھ اس کی راہ میں جہاد کروں۔ اگر میں ان مشکلات کو برداشت نہیں کروں گا اور اس تلوار کا حق ادا نہیں کروں گا تو غازی کا لقب جو مجھے دیا گیا اس کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا اگر آج اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کروں گا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔''(۸)

ڈاکٹر صلابی سلاطین ترکیہ کی خدماتِ تحفظِ اسلام کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''اوّلین عثمانی سلاطین نے جہاد کے ذریعے ملکی حدود کو وسیع کرنے کی کوششیں کیں، امن قائم کیا، ان خطرات کا قلع قمع کیا جو ان کی سلطنت کے لیے چیلنج بنے ہوئے تھے اور جنگی تیاری اور دفاعی طاقت کو اس قدر بڑھایا کہ سرحدوں پر دشمن کی یورش کا کوئی خطرہ نہ رہا۔ سلطان محمد فاتح اور ان کے پیش رو سلاطین نے جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کر کے پوری قوم کو دُشمن کے خلاف جنگ آزما رہنے کے لیے تیار کر دیا۔ دشمنانِ اسلام، کفار کے خلاف جہاد کرنے کے فریضہ کو اس طرح ادا کیا کہ کفار کے سامنے صرف دو ہی راستے رہ گئے یا تو اسلام قبول کر لیں یا اسلامی مملکت کو جزیہ دیں اور ذمی بن کر مسلمانوں کی حمایت میں زندگی گزار دیں۔ عثمانی معاشرہ اسلامی جہادی دعوتی رنگ میں رنگ دیا گیا۔ لشکر میں موجود افراد کو بچپن سے ہی سخت جہادی زندگی کے لیے تیار کیا جاتا تھا اور اس سلسلہ میں پوری باریک بینی کا مظاہرہ کیا جاتا اور تیاری ہر لحاظ سے مکمل ہوتی تھی۔''(۹)

ڈاکٹر صلابی مزید لکھتے ہیں:

''جب عثمانیوں نے مصر اور شام کو اپنی سلطنت میں ضم کر دیا اور عرب علاقے عثمانی حکومت کے زیر نگیں ہوئے تو دولتِ عثمانیہ نے بے مثال شجاعت سے پرتگالیوں کا سامنا کیا اور بحر احمر کی بعض اسلامی بندرگاہیں واپس لینے میں کامیابی حاصل کی جیسے مصوع اور زیلع، اسی طرح امیر علی بیگ کی قیادت میں ایک بحری لشکر افریقی ساحل کی طرف بھی روانہ کیا جس کے نتیجے میں مقدیشو اور مجلسہ آزاد ہوئے اور پرتگالی لشکروں کو بہت نقصان اُٹھانا پڑا۔''(۱۰)

سقوطِ اندلس کے بعد اندلس کے مسلمانوں کی اجتماعی ہجرت میں عثمانی سلاطین اور ان کی بحریہ نے بہت مدد کی۔ اندلسی مسلمانوں کی ہجرت کے بعد ان کی شمالی افریقہ میں آمد اور مقامی ولایات میں آبادکاری سے بے شمار سماجی اور معاشی مسائل نے جنم لیا۔ عثمانی سلاطین نے ان مسائل کے حل کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ چوں کہ ان مہاجرین میں جہاز رانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے ترک سلاطین کو مناسب معلوم ہوا کہ ایسے مناسب ذرائع کا جائزہ لیا جائے کہ جن کے ذریعے ان جہاز رانوں کو معاشی و معاشرتی استحکام حاصل ہو۔ بعض وجوہات کی بناء پر ان جہاز رانوں نے بحر متوسط میں مسیحی فوجوں کے خلاف جہاد کا راستہ اپنایا۔ ان وجوہات میں سب سے اہم وجہ ان کا دینی جذبہ تھا کیوں کہ اسلام اور نصرانیت کے درمیان نزاع جاری تھی۔ اندلس سے مسلمانوں کو ظلم و شقاوت سے زبردستی نکلنے پر مجبور کیا گیا تھا اور ہسپانوی اور پرتگالی غارت گر ان مسلمانوں کا شمالی افریقہ تک تعاقب کر کے ان کو قتل کرتے اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑتے رہتے۔

ڈاکٹر صلابی سلاطین عثمانیہ کے حکم اور مدد سے ان مجاہدین اسلام کی اندلس کے مسلمانوں کے تحفظ و دفاع کے لیے قابل قدر خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان مسلمان جہاز رانوں کی جنگی کارروائیاں ہسپانیہ اور پرتگال کی فوجوں کے خلاف ایک غیر منظم جنگ کا نقشہ پیش کرتی رہیں حتیٰ کہ خیرالدین اور عروج باربروسہ دو بھائی

سامنے آئے۔ ان دونوں بھائیوں نے اسلامی فوجوں کو الجزائر میں متحد کیا اور شمالی افریقہ کے شہروں اور بندرگاہوں کی طرف دشمنانِ دین کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کے لیے متعدد حملے کیے۔ اس جدید اسلامی فوج نے اپنی اس سمندری جنگ میں گوریلا طریقہء جنگ اختیا کیا۔ پھر انہوں نے اپنی دوررس نگاہوں سے دیکھا کہ دولت عثمانیہ کے جھنڈے تلے آ کر متعصب نصرانیوں کے خلاف متحد کارروائیاں کر کے دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔"(۱۱)

شریعتِ اسلامیہ کا تحفظ ونفاذ:

ترکوں نے اسلام اور شعائر اسلام کا ہمیشہ احترام کیا۔ ان کے اس بے ریا اور مخلصانہ اسلام کا اثر مفتوحہ قوموں پر بڑے مثبت انداز میں ہوا، اور مفتوحہ قومیں جنہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی اسلام سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتی چلی گئیں۔ سربیا، بلغاریہ، رومانیہ، یونان اور خاص طور پر البانیا میں بلا جبر واکراہ بے شمار عیسائی اپنے دلی شوق سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ینی چری (ینگ چری) فوج جس میں نوعمر عیسائی نوجوانوں کو بھرتی کیا جاتا تھا اور جو ترغیب وتشویق سے مسلمان ہو جاتے تھے ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔ بلقان اور اردگرد کی ریاستوں سے عیسائی امراء ورؤساء اپنے بیٹوں کو خوشی سے لا کر خود اس فوج میں ان کو بھرتی کراتے تھے۔

ترک بالعموم مجاہد، جفاکش، سرفروش اور بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ دینی عقائد پر پختہ اور عبادات کے پابند تھے اور اپنی خانگی زندگی، روزمرہ کے معاملات اور اخلاق میں خالص مسلمان تھے۔ ان میں دیگر اقوام کے بخلاف باہمی اخوت ومحبت بھی زیادہ تھی۔ ترک سلطنت عثمانیہ کے بانی سلطان عثمان خاں سے لے کر سلطان محمد فاتح تک تمام سلاطین دینی شعائر پر کاربند تھے۔ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کو ضروری جانتے تھے اور اپنے ماتحت حکام وعمال کو بھی شرعی احکام کی پابندی کی تلقین کرتے تھے۔ وہ دین کے بارے میں مخلص تھے اور شریعت اسلامیہ کی پابندی کو ضروری خیال کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے اللہ رب العزت نے انہیں قوت

واقتدار بخشا اور زمین پر انہیں اپنا خلیفہ ہونے کی سعادت بخشی۔ جہاں جہاں عثمانی ترکوں نے حکومت کی وہاں اللہ کی قائم کردہ حدوں کو نافذ کیا اور اس کے عوض وہ اللہ کریم کی عنایات کے مستحق قرار پائے اور حکومت وفرماں روائی ان کا مقدر ٹھہری۔

یہ دستورِ الٰہی ہے کہ اہل ایمان سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اطاعت الٰہی اور شریعت الٰہی کے نفاذ کے بدلے میں نیابتِ الٰہی ودیعت کی جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِى الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ} (۱۲)

''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا اُن سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا۔''

سلاطین عثمانیہ نے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور قوانین کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اقتدار اور سلطنت بخشی جو ان کے پختہ ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ اور ثمرہ تھا۔ وہ اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ تن من دھن قربان کرنے کے جذبہ سے سرشار تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اپنی سنت کے مطابق ''جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے'' ان کی نصرت فرمائی کیوں کہ شریعت اسلامیہ پر استقامت اختیار کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ دشمنوں کے خلاف ہر حال میں ان کی نصرت فرمائے گا اور انہیں اپنے دشمنوں پر تسلط بخشے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَلَيَنصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنصُرُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيْزٌ ○ الَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِى الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ} (۱۳)

''اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اُس کی ضرور مدد کرتا ہے بیشک اللہ توانا اور غالب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ

دیں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

ترک سلاطین نے اسلامی احکام شریعت پر عمل کر کے عزت وشرف اور عظمت حاصل کی جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:

نحن قوم أعزنا اللّٰہ بالإسلام فاذا ابتغینا العزۃ بغیرہ اذلنا اللّٰہ أخی فی اللّٰہ ألم تسأل نفسک یوما لماذا المسلمون مذلولین من بعد العزۃ۔ (۱۴)

''ہم ذلیل ترین قوم تھے، اسلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت دی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو عزت بخشی ہے اس کو چھوڑ کر ہم جتنی بھی عزت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ ہمیں ذلت سے ہم کنار کرے گا۔''

حضرت عمرؓ نے اپنے اس ارشاد میں عزت وذلت اور عروج وزوال کے فلسفہ کو کھول کر بیان کر دیا ہے کہ جو معاشرہ قرآن وسنت کی اتباع پر کمر بستہ رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عزت اور ترقی سے ہم کنار کرتا ہے اور جو انحراف کی راہ اپناتا ہے، ذلت ورسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

ترک سلاطین کے شریعت اسلامیہ پر عمل ہی کے نتیجے میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو اپنے دینی نظریہ کی حفاظت پر حریص تھا اور جس نے وہ راہ اختیار کی جس کا منبع قرآن وحدیث تھا۔ قرآن وسنت ہی ایسا مصدر ہے جس میں ایک مسلمان، مسلمان جماعت، مسلم اُمت اور ایک اسلامی سلطنت کی تعمیر وتشکیل کا مکمل سامان موجود ہے۔ کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کی وجہ ہی سے پوری اُمت کے حوصلے بلند ہوگئے اور عامۃ المسلمین علم، تہذیب، ترقی اور آگے بڑھنے کے اسباب کو اختیار کرنے میں سرگرم عمل ہوگئے کیوں شریعت اپنے اندر ترقی اور آگے بڑھنے کے تمام وسائل رکھتی ہے اور رذیل معاشروں خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں کی تہذیبی زندگی کی عفونت کو دور کرنے کا سامان بھی رکھتی ہے۔

ترکانِ عثمانیہ نے شریعت اسلامیہ کے تحفظ ونفاذ کے لیے نہایت کامیاب کوششیں کیں۔ ترک سلاطین اور رعایا ہمیشہ سے ایک مذہب حنفی کے پابند رہے جس کی وجہ سے ان میں مذہبی ومسلکی اختلافی جھگڑے بہت کم پیدا ہوتے اور اگر کچھ مابہ النزاع مسائل پیدا بھی ہوتے تو شیخ الاسلام ان کو طے کرا دیتا تھا۔ سلاطین ترکیہ نے اپنی سلطنت میں فقہ حنفی کو رواج دیا اور حنفی طریقہ پر ملکی قوانین کو مرتب کیا۔ معروف مغربی مستشرق فلپ۔کےحتّی رقم طراز ہے:

''ترک حنفی فقہ کو دوسرے دبستانوں پر ترجیح دیتے تھے، انہوں نے شام میں بھی اسی فقہ کو سرکاری درجہ دے دیا۔ حلب کے ایک فقیہ ابراہیم الحلبی (ت ۱۵۶۴ئ) نے ''ملتق الانجر'' نام سے ایک کتاب مرتب کی جو پہلے پہل قسطنطنیہ میں شائع ہوئی، یہ کتاب سلطنت میں حنفی قانون کی دستاویز بن گئی۔''(۱۵)

مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی اپنی کتاب ''تاریخ ملت'' میں ترکوں کے نفاذِ فقہ حنفیہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''اسلامی خلافت عباسیوں سے آل عثمان کو ملی، ترک چونکہ حنفی المذہب تھے اس وجہ سے حنفیہ نے بالعموم ان کی خلافت کو تسلیم کیا اور جا بجا ملکوں میں ان کے ناموں کے خطبے پڑھے جانے لگے لیکن مالکیہ بوجہ عدم قریشیت کے ایک مدت تک ان کی خلافت کے قائل نہ ہوئے۔ ان کو تصوف کے ساتھ بھی عقیدت تھی اور پیری و مریدی کا سلسلہ بھی رائج تھا جس کے باعث فتنوں کا ظہور ہوتا تھا، یہی وجہ ہوئی کہ جمہوریہ ترکیہ نے تمام زوایا اور تکئے بند کر دیئے۔ سلاطین آل عثمان میں سے سلیم اوّل مذہب حنفی کا سب سے بڑا علم بردار تھا جس کی خواہش تھی کہ اس کے قلمرو میں بجز اس کے کوئی دوسرا مذہب نہ رہنے پائے۔''(۱۶)

ڈاکٹر صلابی سلاطین ترکیہ کے عقائد ونظریات کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''اوّلین سلاطین اہل سنت والجماعت کے عقیدے پر کاربند تھے اور وہ اچھی طرح

جانتے تھے کہ بدعت اختیار کرنے اور بدعتیوں کے قریب جانے میں کیا کیا خطرے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن وسنت ، اجماعِ اُمت اور علمائے راسخین کے اجتہادات کافی تھے۔''(۱۷)

عثمانی ترکوں کے اوصاف حمیدہ میں جہاں شجاعت و بہادری نمایاں وصف ہے جس کو ان کے دوست دشمن سبھی تسلیم کرتے ہیں وہاں ان کی مذہبی رواداری کی مثال بھی نہیں ملتی۔انہوں نے ہمیشہ اپنی رعایا کے ساتھ عدل وانصاف اور رحم دلی کا سلوک کیا اور کبھی ان کی مذہبی آزادی میں رخنہ نہیں ڈالا۔اس کی روشن مثال یہ ہے کہ یورپ کی عیسائی ریاستوں میں یہودی ہمیشہ مقہور ومبغوض رہے مگر ترکوں کے زیر اثر آ کر ان کو ہمیشہ امن اور آشتی نصیب ہوتی جس کا وہ ہمیشہ ناجائز فائدہ بھی اُٹھاتے اور اسلام اور اہل اسلام کے خلاف خفیہ سازشیں اور ریشہ دوانیاں کرتے رہتے۔

شریعت اسلامیہ کے تحفظ ونفاذ کا عثمانی ترکوں نے ہمیشہ خیال رکھا اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے بھی ہوتا ہے جس کو مفتی زین العابدین نے بیان کیا ہے:

''ایک بار عثمانی مفتی سے کسی نے سوال کیا کہ دس مسلمان ایک یہودی یا عیسائی ذمی کے قتل میں شریک ہوں تو کیا وہ سب کے سب قصاص میں مارے جائیں گے،مفتی نے جواب دیا کہ بے شک دس نہیں ایک ہزار بھی۔''(۱۸)

شیخ الاسلام کے معاملہ میں سلاطین عثمانیہ کو شریعت کا اس قدر لحاظ تھا کہ اگرچہ سلطان کو شیخ الاسلام کی برطرفی کا اختیار حاصل تھا لیکن حرمتِ شریعت کے خیال سے اس کو سزا دینے کا مجاز نہ تھا اور نہ اس کے فتویٰ کی مخالفت کرسکتا تھا۔اس اُصول پر عثمانی سلاطین کس قدر پابند تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔مفتی زین العابدین لکھتے ہیں:

''سلیم اوّل نے جو اپنے عقیدہ اور عزم دونوں میں بہت سخت تھا عثمانی قلمرو میں شیعوں کے استیصال کے بعد یہ ارادہ کیا کہ مشرکوں ، کافروں، یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی قتل کر کے ان کے معبدوں اور کنیسوں کو مساجد بنالے تاکہ ملک میں

صرف ایک ہی مذہب رہ جائے۔ مشورۃً ایک دن شیخ جمالی مفتی اعظم سے پوچھا کہ دنیا کو فتح کرنا بہتر ہے یا قوموں کو مسلمان بنانا؟ شیخ مذکور نے جواب دیا کہ مسلمان بنانے میں زیادہ ثواب ہے؟ سلیم نے اس کے بعد صدرِ اعظم کو حکم دیا کہ سلطنت کے ہر گوشے میں اعلان کیا جائے کہ جو اسلام نہ لائے گا قتل کر دیا جائے گا۔ اس سخت اعلان سے صدرِ اعظم کو تردد ہوا اس نے شیخ جمالی سے کہا کہ سلطان نے اس میں تمہارے قول سے سند لی ہے۔ شیخ مذکور آستانہ کے بطریرک کو لے کر سلطان کے پاس جو اس وقت ''ادرنہ'' میں تھا، پہنچے اور وہ عہد نامے پیش کرائے جو قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان محمد نے نصاریٰ کے ساتھ کیے تھے پھر قرآن کا حکم سنایا کہ اہل کتاب سے جزیہ لے کر مذہب کے معاملے میں آزاد چھوڑ دینا چاہیے، سلیم کو مجبور ہو کر اپنا حکم واپس لینا پڑا۔''(۱۹)

اسی طرح سلطنت عثمانیہ کے آخری ایام میں سلطان عبدالحمید خان نے عورتوں کی بے پردگی اور مغربی تقلید کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بزور اس کو روکا۔ سلطان نے اپنے حکومتی بیان میں اعلان کیا:

''بعض عثمانی خواتین جورات کے وقت سڑکوں پر نکلتی ہیں، خلاف شرع لباس پہنے ہوتی ہیں۔ سلطان نے حکومت پر زور دیا کہ وہ اس بے پردگی کو روکنے کے لیے ضروری اقدامات کرے۔ سلطان نے اس بات کا بھی حکم دیا کہ وہ عورتوں کو مکمل شرعی نقاب پہننے کا پابند کریں اور جب وہ سڑکوں پر آئیں تو مکمل اسلامی نقاب اوڑھ کر آئیں۔ اس دوران مجلس الوزراء کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ صرف ایک مہینے کی مہلت دی جائے اگر اس کے بعد بھی یہ بے پردگی باقی رہے تو عورتوں پر باہر نکلنے کی پابندی عائد کر دی جائے اور صرف ان عورتوں کو نکلنے کی اجازت ہو جو باپردہ ہوں اور ضروری ہے کہ یہ نقاب ہر طرح کی زینت اور بیل

بوٹوں سے خالی ہوں۔ باریک ریشمی نقابوں پر پابندی عائد کردی جائے اور ایسے نقاب اوڑھنے کا عورتوں کو دوبارہ پابند کیا جائے جن سے چہرے کے خدوخال نظر نہ آئیں۔''(۲۰)

ترک سلاطین اگرچہ مطلق العنان حکمران ہوتے تھے جن کی اطاعت لازمی تھی اور نصوص قرآن کی رو سے بھی وہ رعایا کے جان ومال اور ملک کے سیاہ وسفید پر کامل اختیار رکھتے تھے، لیکن انہوں نے بالعموم شریعت اسلامیہ کے تحفظ اور نفاذ کو ہر چیز پر مقدم رکھا۔ سلطان کے بعد عموماً سب سے بڑے دو عہدے دار ہوتے جن میں سے ایک ''صدر اعظم'' ہوتا جو جملہ اُمور مملکت اور اُمور فوج کا نگران ہوتا تھا جبکہ دوسرا بڑا عہدے دار ''شیخ الاسلام'' ہوتا جو شرع شریف کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا، محکمہ قضاۃ اور جملہ محکمہ جات شرعیہ کا نگران ہونے کے ساتھ ساتھ مہماتِ سلطنت، اعلان جنگ، صلح، عزل ونصبِ سلاطین وغیرہ اُمور میں شیخ الاسلام کو دخل ہوتا تھا۔

حوالہ جات

۱۔ علی محمد محمد الصلابی ،الدکتور، الدولة العثمانية، عوامل النهوض وأسباب السقوط، دارالتوزیع والنشر الإسلامية، الطبعةالأولی، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء ص۱۰۰

۲۔ ایضاً،ص۱۰۱

۳۔ محمدعزیر، ڈاکٹر، دولتِ عثمانیہ، اعظم گڑھ، انڈیا: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۹ء، ج۱،ص ۳

۴۔ حسرت موہانی، فضل الحسن: ''دولت عثمانیہ کی مختصر تاریخ''، مشمولہ: ماہنامہ ''اُردوئے معلیٰ''، علی گڑھ، انڈیا: جلد:۶،شمارہ: ۳، ۴، مارچ، اپریل ۱۹۰۶ئ ص۲۶-۲۷

۵۔ ابوالکلام آزاد، مولانا، مسئلہ خلافت، لاہور: سجاد پبلشرز، ۱۹۶۰ء، ص۱۸۵

۶۔ ایضاً،ص۲۰۸

۷۔ ایضاً

۸۔ علی محمد محمد الصلابی ،الدکتور، الدولة العثمانیه، ص۱۸۱

۹۔ ایضاً،ص۲۰۹

۱۰۔ ایضاً،ص۲۵۵

۱۱۔ ایضاً،ص۲۶۴

۱۲۔ النور:۵۵

۱۳۔ الحج:۴۰،۴۱

۱۴۔ حاکم ، محمد بن عبداللہ نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، قاہرہ: دارالحرمین للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۱۷ھ، کتاب الایمان، ج۱،ص۷۶

۱۵۔ Philip K. Hitti,(1959)"Syria: A Short History", New York: Macmillan co.,P:532

۱۶۔ سجادمیرٹھی، زین العابدین، وانتظام اللہ شہابی اکبرآبادی، تاریخ ملت، لاہور: مکتبہ خلیل، ۲۰۱۲ء، ص۴۹۱

۱۷۔ علی محمد محمد الصلابی ،الدکتور، الدولة العثمانیه، ص۲۰۸

(۱۸) سجادمیرٹھی وانتظام اللہ، تاریخ ملت، ص۴۹۳

(۱۹) ایضاً،ص۴۹۴

(۲۰) علی محمد محمد الصلابی ،الدکتور، الدولة العثمانیه، ص۴۷۵

بیماری و پریشانی میں رحمتِ خداوندی کا منفرد انداز

محمد رمضان نجم باروی ☆

***ABSTRACT*:**

There are many diseases, confusions and sorrows in the human life, so human society is also disturbed and unbalanced. But these diseases and sadnesses be proved as blessings and graces of Allah Almighty. Allah almighty forgives sins of his slave by these diseases and troubles. A Muslim can enjoy his problems if he understands it's philosophy from Allah Almighty. He believes that his creator and God wants to forgive his sins and wants to purify him from errors. In the light of last Prophet's teachings we should not abuse any diseases and should not say any word of complaint about our problems. But we should thank our God Almighty who made these diseases and problems a source to forgive our sins.

اللہ پاک کی رحمت و کرم نوازی کے انداز مختلف ہیں۔اس کی ربوبیت کا اظہار نرمی میں بھی ہوتا ہے اور سختی میں بھی۔مظاہر ربوبیت یعنی خلق اس کی بے پایاں نعمتوں سے ہر سانس و ہر آن مستفید ہو رہی ہے لیکن اس کی نعمتوں،بخششوں اور عطاؤں کے انداز مختلف ہیں۔تربیت میں زیادہ عنصر سخت کوشی،آزمائش اور صبر آزما سختی کا ہوتا ہے لیکن یہ سختی اور آزمائش غضب،منافرت،

☆ پی ایچ ڈی سکالر (سیشن ۲۰۱۲۔۲۰۱۵ء)

عداوت، انتقام و ناراضی کی بنا پر نہیں ہوتی۔اس میں بھی محبت، پیار، ہمدردی، رحمت، شفقت اور رضا مضمر و مستتر ہوتی ہے۔

ماں کی اکلوتے بیٹے کے لیے محبت ضرب المثل بلکہ محبت کی دنیا میں بے مثل ہے۔ ماں اپنے بیٹے کے پاؤں میں چبھنے والے کانٹے کی تکلیف کو اپنے قلب وجگر میں محسوس کرتی ہے، لیکن اگر اسی اکلوتے بیٹے کو دل کی بیماری لگ جائے اور اس کا (Bypass) آپریشن کرانا ضروری ٹھہرے تو یہی ماں خود اپنے پھول کو دل کے سرجن ڈاکٹر کے حوالے کر دیتی ہے کہ وہ اس کے سینے کو آلات جراحی سے چیر کر دل کو کاٹ کر اس کا آپریشن کر دیں اور پھر دعائیں مانگتی ہے کہ اس کے بیٹے کے دل کی چیر پھاڑ کامیاب ہو جائے۔ کامیاب آپریشن پر اپنے قلب وجگر میں خوشی محسوس کرتی ہے۔اس ماں کے کانٹا چبھنے پر دل میں درد کی ٹیسیں محسوس کرنے میں بھی شفقت تھی اور دل کے چیرے جانے پر قلب وجگر میں مسرت محسوس کرنا بھی رحمت ہے۔ یہی ماں کبھی اپنے نونہال کو سارا سارا دن اپنے سے دور اسکول میں بھیج کر تنہائی کے سپرد کر کے اساتذہ کی سخت گیری اور بیٹے کے نہ جانے پر اصرار کے باوجود اسے مجبور کر کے ایک اجنبی ماحول میں پرورش وتربیت کے لیے روانہ کر کے پھر واپسی کے لیے اس کی راہ تکتی ہے۔ یہ بھی ہمدردی، محبت وشفقت اور پیار کا انداز ہے اور کسی اپنے یا بیگانے کو اس پہ اعتراض و شکایت نہیں کیونکہ یہ جائے اعتراض نہیں بلکہ مقام تحسین ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اس ماں سے سو حصے زیادہ اپنے بندے سے محبت و پیار ہے۔ وہ اپنی تدبیر کا ہر رنگ و ہر ڈھنگ اپنے اس بندے کی تربیت و پرورش اور اس کو ایک جوہر قابل بنانے کے لیے اختیار فرماتا ہے۔ کبھی بھوک و پیاس طاری کرتا ہے تو کبھی اپنے اختیار سے سحر سے غروب آفتاب تک بھوک و پیاس برداشت کرنے کا لازمی حکم فرماتا ہے۔ کبھی مال میں خسارہ، کبھی اولاد کی فکر کبھی اعیال کا غم، کبھی بیماری کی لاچاری، یہ سب اس کی تربیت اور بتدریج نقطہ کمال وعروج تک

پہنچانے کے بہانے ہیں۔ان صبر آزما تکلیفوں،مصائب، پریشانیوں اور کلفتوں میں بھی اس خالق و مالک کی رحمت و کرم اک انوکھی شان کے ساتھ موجود و کارفرما ہے۔

انسان محسوسات کے ماحول میں زیادہ رہتا ہے اور معقولات کے دائرے میں اس کی جلوہ فرمائی نسبتاً کم ہوتی ہے۔اس کی نظر عارضی اور جلد میسر آنے والی آسانی پر ہوتی ہے۔ یہ راتوں رات ہم دوش ثریا ہونا چاہتا ہے ۔ یہ صرف قارون کے خزانے کا متمنی ہے، اس کے عبرت ناک انجام سے جان بوجھ کر چشم پوشی کرتا ہے۔ یہ بیماری کو دیکھتا ہے، اس کے پیچھے چھپی حکمت کو سمجھنے کی تکلیف نہیں کرتا۔ مالی خسارے کی وجہ سے صحت کو داؤ پر لگا دیتا ہے، اس میں مضمر اللہ کی رحمت کا نظارہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ پریشانیوں میں گھر کر گر جانا چاہتا ہے، ان کو ہدیہ محبوب سمجھ کر اوراس سے سرخرو ہو کر سنبھلنے کو اختیار نہیں کرتا۔لیکن اس کا حکیم وعلیم خدا بہر حال اسے سنبھالنا چاہتا ہے۔

آج ہر آدمی بیمار ہے یا کسی پریشانی میں گرفتار۔جس کی وجہ سے اس کے مزاج کا تند و تیز ہو جانا اور اس کے رویوں میں منفی تبدیلی کا آنا بھی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس کے اسی چبھتے مزاج اور غیر معتدل اخلاق کی وجہ سے پورا انسانی معاشرہ امن و آشتی اور سکون و اطمینان سے عاری و خالی ہے ، کیونکہ معاشرے انسانی مزاجوں ، رویوں ،اخلاق اور عادات و اطوار سے ہی مثبت یا منفی رخ اختیار کرتے ہیں۔

کاش آج کا بیمار انسان،مختلف ظاہری و باطنی بیماریوں، ذہنی وفکری انتشارات، مالی و کاروباری پریشانیوں اور خساروں میں جکڑا ہوا مخبوط الحواس انسان کی طرح نامعقول وغیر معتدل زندگی گزارنے پر مجبور بنا ہوا ہے اگر وہ ان تکالیف،مصائب و آلام اور پریشانیوں کے پیچھے کارفرما خدائی حکمتوں ،فوائد و ثمرات اور برکات پر غور کرے تو انھیں پریشانیوں سے شادمانیوں ، انھیں دکھوں سے سکھوں اور انھیں فکری انتشاروں سے ذہنی بہاریں کشید کر سکتا ہے۔

قانون قدرت ہے کہ جب اسلامی معاشرے میں گناہ کی کثرت ہو جائے ،احکام الٰہیہ سے اعراض کا رجحان بڑھ جائے ، گناہ پہ ندامت ،توبہ و استغفار عنقاء ہو جائے ،جسم توانا اور روح

ناتواں ہو جائے، انسان اپنے مقصدِ تخلیق و زیست کو بھول جائے، جنت کے راستے سے گمراہ ہو کر جہنم کے راستے پر چل نکلے اور اسے احساس بھی نہ رہے تو اس کے خالق و مالک اور اس اشرف المخلوقات سے محبت فرمانے والے رب کو اس کی حالت پر ترس آ جاتا ہے۔ وہ اس کی اصلاحِ روح، اصلاحِ فکر اور اصلاحِ ظاہر و باطن کے لیے، اسے اس کا مقصدِ تخلیق یاد دلانے کے لیے، راہِ دوزخ سے ہٹا کر طریق جنت پر چلانے کے لیے، اپنے قرب و تعلق کا فیضان عطا کرنے کے لیے اور گناہوں کے زنگ اور زہر کے تریاق و تصفیہ کے لیے، کسی صبر آزما تکلیف، مصیبت اور غم و فکر میں مبتلا فرما دیتا ہے۔ یہاں تک کہ گناہوں پہ اس کی قدرت نہیں رہتی۔ دنیوی فکر سے اس کی توجہ اپنی ذات کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ تعمیر قصر و محل کے بجائے بقاء ذات کی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔ جب بیماری، لاچاری اور خسارے میں کمی کا دورانیہ ذرا طویل ہوتا ہے، تب اسے تنہائی کا عفریت ڈسنے لگتا ہے۔ پھر یہ مجبور ہو کر کہتا ہے کہ اے میرے رب! میں تنہا ہو گیا ہوں تو میرا ہم جلیس ہو جا۔ اے میرے خالق! میں بے آسرا ہو گیا ہوں تو میری دستگیری فرما۔ اے میرے مالک! میں محتاج ہو گیا ہوں تو میری محتاجی پر رحم فرما۔ جب بھی اپنے ساتھیوں سے دنیا کی بجائے بارگاہ الٰہی سے معافی و رحم کی دعا کی بھیک مانگتا ہے، دوسروں کے لیے نشان عبرت بن جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی اسے بیمار کرنے کی حکمت پوری ہو جاتی ہے۔ اپنے بندے کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اپنی رحمت کو اس کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے۔ بندہ ایک بار اپنے رب کو پکارتا ہے وہ دس بار اسے ''میرے بندے میں موجود ہوں'' فرماتا ہے۔ اب بیماری میں لیے ہوئے ہر ہر سانس کا اسے بدلہ دیا جاتا ہے۔ اس کا ہر ہر سانس پاکیزہ، خون کا ہر ہر قطرہ آشنا کر دیا جاتا ہے۔ گوشت کا ہر ہر ذرہ پاک و صاف، طیب و طاہر فرما کر اسے خلعت محبوبی پہنا دی جاتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی اسلامی معاشرے میں بدعملی بڑھ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کے لیے بیماریوں، پریشانیوں اور غم و حزن کی کثرت سے اس کا علاج فرماتا ہے اور ہر بیماری کا علاج، بیماری کے اعتبار سے نرم یا سخت ہوتا ہے۔ کبھی صرف ایک آدھ گولی سے

علاج ممکن ہوتا ہے، کبھی ایک آدھ انجکشن سے شفا ممکن ہوتی ہے۔ کبھی آپریشن اور سرجری تک کی نوبت بھی آجاتی ہے اور اگر اللہ نہ کرے کینسر جیسا موذی مرض لگ جائے تو اس کا پرانا خون برقی شعاعوں سے جلا بھی دیا جاتا ہے۔

اسی طرح گناہوں کا علاج ہوتا ہے اور جب گناہ صغیرہ سے تجاوز کر کے کبیرہ کی حد میں داخل ہو جائے تو علاج بھی ایک کیپسول سے بڑھ کر آپریشن تک وسیع ہو جاتا ہے، لیکن اس بیمار و پریشان حال کی نظر اپنے طبیب حقیقی کی حکمت و دانائی پر رہے تو اس کی بیماری بھی بصورت نعمت و رحمت اپنے اثرات مرتب کرے گی اور اس پریشانی میں ایک سکون کا احساس ہوگا۔

ذیل میں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن سے یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ کسی مسلمان کی بیماری اور پریشانی اس کے لیے کیسے باعث رحمت ہے۔

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرا یصب منہ۔(۱)

"ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس (مسلمان) کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے اپنی طرف سے کسی مصیبت میں مبتلا فرما دیتا ہے۔"

یہ حدیث ایسی ہے جیسے فرمایا:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین۔(۲)

"جس کے ساتھ اللہ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سوجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے۔"

حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ کہا جائے تو یقیناً درست ہوگا کہ ایک بندہ مومن دنیوی کاموں میں مشغول ہو کر جہنم کے راستے پر چل پڑتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو اس کے انجام سے اس پر ترس اور رحم آجاتا ہے اور یہ بندہ چونکہ آسانی سے اس راستے سے واپس آنے والا نہیں ہے، اس لیے وہ اسے بیماری، لاچاری، مصیبت و پریشانی میں مبتلا کر کے اس راستے سے ہٹا کر اپنی رضا

وجنت کے راستے پر چلا دیتا ہے۔جہنم کا راستہ بظاہر خوشنما ہے اور جنت کا راستہ تکالیف ومصائب سے ڈھکا ہوا اور اس راستے کی چھوٹی سے چھوٹی تکلیف بھی بندہ مومن کے لیے باعث رحمت و برکت ہوتی ہے اور گناہوں سے تطہیر کا سبب بنتی ہے۔جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے:

مایصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا ھم ولا حزن ولا اذی ولا غم حتی الشوکۃ یشاکھا الا کفر اللہ بھا من خطایاہ۔(۳)

"کسی مسلمان کو جب کوئی تکلیف، بیماری، غم، رنج اور ایذاء پہنچتی ہے یہاں تک کہ اگر اسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس شخص کی کئی خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔"

حدیث مذکورہ میں نبی رحمت ﷺ نے بیماروں کے زخموں پر گویا رحمت کا مرہم رکھتے ہوئے ان کی بیماری میں بھی ان کے لیے سامان مسرت وفرحت فرما دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ سیدہ ام السائب کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: **مالکِ ام السائب او المسیب تزفزفین؟** تمھیں کیا ہوا ہے کہ کانپ رہی ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ بخار ہے "**لا بارک اللہ فیھا**" اس کا برا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **لا تسبی الحمیٰ** بخار کو برا نہ کہو **فانھا تذھب خطایا بنی آدم کما تذھب الکیر خبث الحدید** یہ بخار انسان کے گناہوں کو ایسے ختم کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو ختم کر دیتی ہے۔(۴)

مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ:

"دوسری بیماریاں ایک یا دو اعضا کو ہوتی ہیں مگر بخار سر سے پاؤں تک ہر اک رگ میں اثر کرتا ہے۔اس لیے یہ سارے جسم کی خطاؤں اور گناہوں کو معاف کرانے کا باعث بنتا ہے۔"(۵)

بیماری میں اگر انسان کثرت سے نفلی عبادت نہ بھی کر سکے تو اسے صحت کے دنوں کی عبادت کا ثواب ملتا رہتا ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اذا مرض العبد او سافر کتب لہ بمثل ما کان یعمل مقیما صحیحا۔(۲)

"جب کوئی بندہ مریض ہوجاتا ہے یا سفر میں ہوتا ہے (اور مکمل نفلی عبادت سکون کے ساتھ اور کثرت سے نہیں کرسکتا) تو اسے (کم عبادت پر بھی) ثواب صحت اور اقامت کے دنوں کی اس کی عبادت کا عطا کیا جاتا ہے۔"

جو انسان صحت و اقامت کو غنیمت جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کرتا ہے اور کثرت سے نفلی عبادت میں کوشش کرتا ہے تو بیماری میں اس کا اسے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اگر کثرت سے اور مکمل شرائط کو بجالا کر عبادت نہ بھی کر سکے تو اسے ثواب مکمل اور کثرت سے عبادت کا دیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں جہاں بیماری اور مسافرت میں انسان کی دل جوئی کی گئی ہے، وہیں اسے یہ بھی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ صحت اور اقامت میں عبادت میں خوب کوشش کرے تا کہ اسے اس کا فائدہ کسی حادثاتی صورت حال میں بھی نصیب ہو سکے۔

ایک بیمار انسان اگر اس حدیث کو سامنے رکھے تو یقیناً اسے بیماری میں بھی سکون و اطمینان نصیب ہوگا۔

کبھی انسان گناہ گار ہوتا ہے اور اس کی بیماری اسے بارگاہ محبوب حقیقی اور اس کے خالق و مالک کی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے، اس کے گناہ مٹا کر اسے جنت کا راہی بنا دیا جاتا ہے، لیکن بسا اوقات نیک اور صالحین بھی صبر آزما مصائب و تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں تو یہ ان کے لیے بلندی درجات کا باعث وسبب ہوتے ہیں اور بیماری کی سختی ونرمی سے ان کے درجات کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ کو سخت بخار ہے۔ میں نے جو آپ ﷺ کے جسم مبارک پہ ہاتھ رکھا تو آپ ﷺ کا جسم معطر بہت سخت بخار میں گرم تھا۔ میں نے عرض کیا: آپ (ﷺ) کو تو بہت شدید بخار ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! **انی اوعک کما یوعک رجلان منکم،** مجھے تم میں سے دو مردوں کے برابر بخار ہوتا ہے۔ابن مسعودؓ نے عرض کیا کہ پھر تو آپ ﷺ کو اجر بھی دو گنا عطا ہوتا ہوگا۔آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں!(۷)

حدیث مبارکہ اس بات کو واضح کرتی ہے کہ ہر شخص کا بیماری سے امتحان اس کی صلاحیت و قابلیت کے مطابق ہوتا ہے۔ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سخت بیماری و تکلیف میں کسی کو بھی مبتلا نہیں دیکھا۔(۸)

مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر بیماری عام مسلمانوں کے لیے گناہوں کی بخشش وطہارت اور صالحین کے لیے بلندی درجات کا سبب ہوتی ہے۔اگر انسان دنیا میں چند دن کے بخار کی تپش، چند دن کے غم و حزن اور محدود دنوں کی تکالیف و پریشانیوں کی وجہ سے جہنم کے سخت ترین عذاب سے بچ جائے تو یہ امر خوشی کا باعث ہونا چاہیے۔

ان پریشانیوں اور تکلیفوں میں خوش رہنا اور خوشی بانٹنا ہی اصل کمال ہے۔ان بابرکت و رحمت فرامین نبویہ سے معاشرے میں امن و سلامتی ،سکون و اطمینان پیدا ہوسکتا ہے۔جس معاشرے کا بیمار بھی حالت بیماری میں سکون محسوس کرے اس معاشرے کا صحت مند بھلا کیسے غم سے ہلکان و پریشان ہوگا۔بیماریوں کی بہتات ہم سے مسرتوں کی بہتات کا تقاضا کرتی ہے۔ بیمار ہی کسی بیمار کا شریک دکھ ہوسکتا ہے۔بیمار و صحت مند کو اسلام نے ایک دوسرے کا ہمدرد و غمگسار بنا دیا ہے۔اسی لیے صحتمند مسلمانوں کو بیماروں کی بیمار پرسی، تیمارداری اور خدمت کا سبق دیا گیا ہے اور بیمار کی دعاء کو ان کے لیے مقبول ترین بلکہ فرشتوں کی دعاء کی طرح قرار دیا گیا ہے۔(۹)

بیمار کا قرب جنت کا ماحول عطا کرتا ہے۔(۱۰) بیمار کی خدمت سے خدا ملتا ہے۔(۱۱) بیمار پرسی کرنے والے کے لیے اللہ کے فرشتے دعا کرتے ہیں۔(۱۲)

جس معاشرے میں بیمار کی اس قدر توقیر ہو کہ صحت مند اور مریض یک جان ہوں، یقیناً ایسا معاشرہ سکون و اطمینان سے عبارت ہوتا ہے۔

زندگی صبر و شکر کے ساتھ گزارنا، صحت ہو یا بیماری ہر حال میں اپنے مالک وخالق سے لولگانا، اس کی رضا پر راضی رہنا، اس کے ہر حکم کو بلا چون و چرا تسلیم کرنا یہی اساس ہے ایک بہترین معاشرہ کی اور بے مثال سماج کی۔

اسلامی معاشرہ اپنی انھی خصوصیات وامتیازات کی وجہ سے سب سے بہتر ہے۔ اس میں ہر شخص کو دوسرے کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا گیا ہے کہ اگر ایک فرد پریشان ہو تو پورا معاشرہ ہی بے سکون ہو جاتا ہے۔ اسلام کی بابرکت تعلیمات میں والدین واولاد کو، استاد وشاگرد کو، بڑے اور چھوٹے کو، امیر وغریب، آقاء ونوکر کو، پڑوسی سے پڑوسی کو حقوق وفرائض کی لڑی میں ایسا پرو دیا ہے کہ کثرت میں وحدت کا عکس نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن، کتاب المرضیٰ، باب ماجاء فی کفارۃ المرض، رقم الحدیث:۵۶۴۵

۲۔ ایضاً، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین، رقم الحدیث:۷۱

۳۔ ایضاً، کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارۃ المرض، رقم الحدیث:۵۶۴۱،۵۶۴۲

۴۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن، باب ثواب المومن فیما یصیبہ من مرض، رقم الحدیث:۲۵۷۵

۵۔ نعیمی، احمد یار خان، مفتی، مرأۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، لاہور: قادری پبلشرز، ۲۰۰۹ئ، ج۲،ص۴۰۵

۶۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب یکتب المسافر مثل ما کان یعبد، رقم الحدیث:۲۹۹۶

۷۔ ایضاً، باب وضع الید علی المریض، رقم الحدیث:۵۶۶۰، مسلم، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب ثواب المؤمن فی ما یصیبہ من مرض، رقم الحدیث:۶۵۵۹

۸۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب المرضیٰ، باب شدۃ المرض رقم الحدیث:۵۶۴۶
مسلم، صحیح مسلم، باب ثواب المرض فی یصیبہ، رقم الحدیث:۲۵۷۰

۹۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، بیروت: داراحیاء التراث العربیہ، س ن کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عیادۃ المریض، رقم الحدیث:۱۴۴۱

۱۰۔ مسلم، صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، باب فضل عیادۃ المریض، رقم الحدیث:۶۵۵۲

۱۱۔ ایضاً، رقم الحدیث:۶۵۵۶

۱۲۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عیادۃ المریض، ج۲،ص۳۱۵

خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کی دینی وملی خدمات

حسن بیگ☆

ABSTRACT:

Sheikh Ahmad Farooqi Sirhindi (1564-1624), Known as "Mujaddid Alf Thani" was a leading Naqshbandi Sheikh from India. His Son Khuaja Muhammad Masoom had about nine hundred thousand direct disciples, among them seven thousand were authorized as his deputies in Sufi Path. Imam Masoom not only trained Aurangzeb in the Mujaddidi Sufi path, He also took great care to provide Shariah guidance to the king in matters of the state. Many other kings from Central Asia were direct disciples of Hazrat Khwaja Muhammad Masoom. The number of Nawabs and other local rulers who were among his sincere followers is countless.

برصغیر پاک وہند میں اسلام کی ترویج واشاعت میں صوفیہ کرام ومشائخ عظام نے نمایاں کردارادا کیا ہے۔تصوف کے سلاسل اربعہ اس خطہ کی تاریخ کا روشن باب ہیں۔اس گروہ اصفیاء نے اپنے اپنے دور میں مختلف انداز سے امت کی اصلاح فرمائی اوراپنے پاکیزہ واعلیٰ کردار سے بے شمار غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ان برگزیدہ شخصیات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور آپؒ کے خانوادے اور جانشینوں کی نظیر ومثیل ملنا بہت مشکل ہے۔حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تیسرے فرزند وجانشین،مرجع خلائق،رافع سنت، قاطع

☆ ایم۔فل سکالر،نظامتِ فاصلاتی تعلیم (سیشن ۲۰۱۳۔۲۰۱۵ء)

بدعت، سیاسی امور میں حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے تتبع اور خلیفۃ اللہ المعبود کی جامع ترین شخصیت کی تصویر تھے۔

قطبِ دوراں امام معصوم است فردِ یزداں امام معصوم است
در بشر نور قدس حق روپوش سرّ سبحان امام معصوم است
در جہان قائم مقام رسل کیست باللہ امام معصوم است

ولادت:

حضرت خواجہ کی ولادت بستی ملک حیدر(۱) میں شوال ۱۰۰۷ھ میں ہوئی۔آپ کی ولادت سے چار ماہ قبل آپ کے بزرگوار دادا اور نانا کی وفات سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو جس قدر بڑے حوادث عظیمہ سے گزرنا پڑا (۲) اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اسی قدر بڑی نعمت (خواجہ محمد معصومؒ) سے نوازا اور اسی سال آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی صحبت نصیب ہوئی اور منصب ارشاد کے مقام پر فائز ہوئے۔(۳) اسم گرامی محمد معصوم، کنیت ابوالخیرات ، لقب مجدالدین اور خطاب عروۃ الوثقی ہے۔(۴)

علوم ظاہریہ کی تحصیل:

آپؒ نے علوم ظاہریہ کی تکمیل اپنے والد بزرگوار، بڑے بھائی حضرت خواجہ محمد صادقؒ، حضرت شیخ ملا طاہر لاہوریؒ، اخوند سجاول سرھندیؒ(۵) سلطان العلماء بدرالدین سلطانپوریؒ سے کی (۶) اور حرمین شریفین کے قیام کے دوران مولانا سید زین العابدینؒ محدث مدنی سے حدیث کی سندواجازت بھی لی۔(۷)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بشارات وعنایات:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ آپ پر بہت زیادہ شفقت وعنایت فرماتے اور بشارات عظیمہ سے سرفراز فرمایا ہوا تھا۔اگرچہ صاحبزادگان میں سے تیسرے نمبر پر تھے مگر

کمالات محمدیہ واحمدیہ کے وارث وامین اور سلسلہ نقشبندیہ کے جانشین آپؒ بنے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آپ کے متعلق فرمایا:

''اشیاء از قیومیت من بتو راضی ترند''(۸)

نیز فرمایا:

''فرزند محمد معصوم محمد المشرب است''(۹)

اپنے مکتوبات میں فرمایا:

''فرزند محمد معصوم بالذات قابل این دولت است یعنی خاصہ ولایت محمدی است''(۱۰)

ایک مرتبہ حضرت خواجہؒ نے دوران تکمیل سلوک ایک کشف کا واقعہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بارگاہ میں عرض کیا تو آپؒ نے فرمایا:

''تو قطب وقت میشوی''(۱۱)

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ستائیس مکتوبات آپ کو لکھے (۱۲) جن میں سے سولہ آپؒ کے نام اور دس مکتوبات آپ کے اور خواجہ محمد سعیدؒ کے نام لکھے گئے۔(۱۳) علاوہ ازیں بعض ایسے معارف عظیمہ ہیں جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی زبان سے سنے اور اپنی خاص بیاض میں لکھے اور کسی کے سامنے بیان نہیں فرمائے۔(۱۴)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا وجود مبارک حضرت رسالت مآب ﷺ کے بقیہ طینت سے وجود میں آیا تھا،اس کے باقی تخمیر پاک اور مرتبہ اصالت کی بشارت سے آپ مبارکؒ نے خود خواجہ محمد معصومؒ کو نوازا (۱۵) نیز اپنی توجہات عالیہ سے آپ کو دائرہ غضب سے نکال دیا اور دنیا کو آخرت کے حکم کے مصداق عنایات سے ہمکنار بھی فرما دیا تھا۔(۱۶)

منصب ارشاد و تلقین:

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے وصال سے قبل ہی آپؒ کو اپنا جانشین و نائب و مناب مقرر فرما دیا تھا۔ قیومیت اور تربیت و تکمیل ارشاد کے متعلق حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوب میں یوں ارشاد فرمایا:

''بعد نماز بامداد مجلس سکوت داشتم ظاہر شد کہ خلعتے کہ داشتم از من جدا شد و خلعت دیگر بمن متوجہ شد کہ بجائے آن خلعت نشیند بخاطر آمد کہ ایں خلعت زائلہ را بکسے خواہند داد یا نہ و آرزوئے آن شد کہ اگر آن را بہ دہند بہ فرزندی ارشدی محمد معصوم بدہند بعد از لمحہ دید کہ بفرزندی مرحمت فرمودند و آن خلعت او را بتمام پوشاندیند و این خلعت زائلہ کنایت از معاملہ قیومیت بودہ است کہ بہ تربیت و تکمیل داشتہ''(۱۷)

مذکورہ بالا مکتوب سے حضرت خواجہ کو قیومیت اور زمانے کی رشد و ہدایت کی سپردگی کے معاملات عطا کیے گئے۔ جب ۱۰۶۸ھ میں صاحبزادگان حرمین کی زیارت کو گئے تو حضرت آدم بنوریؒ کے مزار پر دورانِ مراقبہ میں حضرت آدم بنوریؒ نے صاحبزادگان کو جلد از جلد ہندوستان واپس جانے کی عرض کی، کیونکہ فوجوں کے فتنہ وفساد، طاعون کی تاریکیاں، ہزاروں لوگوں کا جنگوں میں مارا جانا اور قحط و وباؤں سے ہزاروں گھروں کا برباد ہونا آپ کی وہاں غیر موجودگی کے سبب تھا۔(۱۸)

دینی وسماجی خدمات کا جائزہ:

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ ایک عظیم مصلح تھے۔ ممالک اسلامیہ اور بالخصوص ہندوستان کی سماجی، تہذیبی اور سیاسی امور پر آپکی بہت گہری اور عمیق نظر تھی حضرت خواجہ کا سب سے بڑا کارنامہ اپنی پینتالیس سال کی سجادہ نشینی میں عقائد کی درستگی، شریعت کو رواج دینا، طریقت

کو صحیح اصولوں پر منضبط کرنا، سنت پر سختی سے عمل درآمد کرنا اور معاشرے سے بدعات و احادث کا خاتمہ کرنا تھا۔

حضرت خواجہ معصوم سرہندیؒ نے بادشادہ اورنگ زیب عالمگیر کی اصلاح کیلئے صاحبزادگان اور خلفاء کی باقاعدہ ایک جماعت مقرر کررکھی تھی جو بادشاہ کو شرعی اور روحانی علوم سکھاتی تھی، حضرت خواجہ سیف الدینؒ بادشاہ کے سفر وحضر میں مصاحب اور شریعت وطریقت کے استاد و رہبر بھی تھے، حضرت خواجہ کے فرزند خواجہ سیف الدینؒ واضح طور پر بادشاہ کے اس طریقہ عالیہ میں داخل ہونے اور حضرت خواجہ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مخفی نہ ماند کہ بادشاہ بہ دخول طریقہ عالیہ مشرف گشتہ، بسیار متاثر گشت سہ صحبت با حضرت ایشان (خواجہ محمد معصومؒ) داشت۔"(۱۹)

یہ حضرت خواجہؒ کی صحبت بابرکت اور شب و روز محنت شاقہ کا اثر تھا کہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں فتاویٰ عالمگیریہ جیسی اہم اور مستند ترین کتاب کو مرتب کیا گیا جس کی تدوین و اشاعت میں بنفس نفیس خود بادشاہ نے کلیدی کردار ادا کیا اور زمانے کے جیدو پارسا علماء و مشائخ سے اس فتاویٰ کو مرتب کروایا گیا جس کے نتیجہ میں یہ فتاویٰ ہر آنے والے دور میں مسائل کے حل، دینی معاملات کو سلجھانے کے لیے استعمال ہوتا آ رہا ہے اور امہات کتب میں گردانا جاتا ہے۔

اسی طرح اورنگ زیب مذہبی، معاشرتی اور سیاسی امور میں آپ سے استعانت کا طلبگار ہوتا اور اپنے اشکال کو حل کرواتا تھا، بادشاہ نے ایک مہم کے دوران حضرت خواجہؒ کو کامیابی کیلئے دعا کی عرض کی تو آپ نے اسلام کی سربلندی اور اشاعت کیلئے اس کو جہاد قرار دیتے ہوئے لکھا کہ: ''موقف ساعۃ فی سبیل اللہ خیر من قیام لیلۃ القدر بمکۃ عند الحجر الاسود۔''(۲۰)

مزید برآں شہزادگی کے ہی زمانے سے بادشاہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ سے مذہبی طور پر منسلک تھا۔ حضرت خواجہ اپنے والد بزرگ کے صحیح جانشین تھے، جس طرح شریعت کی سربلندی اور سلسلہ کی ترویج کیلئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کوشاں و مستعد رہتے تھے

بالکل اس طرح آپ بھی اسلام کی زبوں حالی دیکھ کر حفاظتِ دین کیلئے اضطراب کی حالت میں رہتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ معاملات میں سستی ہے اور سنت ترک ہوتی جارہی ہے، بدعت کو پھیلایا جارہا ہے اور اس ظلماتی دور میں دینی علوم کا حاصل کرنا اور اس کو نشر کرنا بہت بڑی مہم میں سے ہے اور احیائے سنت مصطفی ﷺ کو زندہ کرنا، شرعی علوم کی تحصیل واشاعت کرنا ہر ایک پر لازم وملزوم ہے:

> چوں آوان آخرالزمان است وین سستی پیدا کردہ است سنت متروک گشتہ و بدعت شائع شدہ تحصیل علوم ونشر آن درین طور وقت ظلمانی از اہم مہام است واحیائے سنت محمدیہ ﷺ از اعظم مقاصد کمر ہمت درکسب علوم شرعی ونشر آن واحیائے سنت مصطفویہ چست بر بندندوزاوئیہ نا مرادی و دوام نگرانی را بجانب قدس ایزدی غربرہانہ (۲۱)

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں کہ:

> ''باید کہ کمر ہمت را دراتیان احکام شرعیہ چست بر بندند وامر ومعروف و نہی منکر را شیوۂ خود سازند واحیائے سنن متروکہ را از اہم امور دانند۔'' (۲۲)

معاشرے میں طریقت سے متعلق جوافواہیں گردش میں تھی اور سنت نبوی ﷺ اور دیگر امور کو ختم کیا جارہا تھا، آپ کی رگ فاروقی پھرک اٹھی اور بڑے تنبیہ بھرے انداز میں اس کی مذمت کی اور سنن مصطفوی ﷺ ترک کرنے والے کو ہرگز عارف خیال نہ کرنے کا سبق دیا اور مرد قلندر کی سند اس شخص کو دی جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر کاربند ہو اور ساتھ ہی ساتھ اک لحظہ بھی یادخدا سے غافل نہ ہو۔ آپ لکھتے ہیں کہ استقامت کرامت سے افضل ہے اگر احوال ومواجید سے کچھ نہ بھی ظاہر ہو مگر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مصاحبین کی محبت پر استقامت حاصل ہو جائے تو حقیقت سے بے خبر نہیں ہوگا اور نہ کسی خوف میں مبتلا ہوگا۔ (۲۳)

اگرچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے زمانے میں ہی سلسلہ کی اشاعت ہندوستان سے نکل کر بخارا و سمرقند تک جا پہنچی تھی مگر حضرت خواجہ معصوم سرہندیؒ نے باقاعدہ ایک منصوبہ بندی اور منظم طریقے سے ہزاروں کی تعداد میں خلفاء کی فوج تیار کر کے بلاد اسلامیہ کے کونے کونے میں پھیلا دی تاکہ سماجی اور تمدنی نظام کو بہتر کیا جا سکے، اس کا اثر اتنا ظاہر ہوا کہ شام کے علماء و مشائخ، بادشاہ روم کا بیعت کرنا، اورنگزیب و شاہ جہاں جیسے بادشاہوں کا آپؒ کی غلامی کا دم بھرنا، حضرت مخدوم جہانیاں اور دیگر بخارا و خراسان کے مشائخ کا اپنے مشیخیت کو چھوڑ کر آپ کے دامن کو تھامنا آپ کے ادنیٰ تصرفات و کرامات میں سے ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ مبارکہ آپ کی شش جہت توجہ و تصرف سے ہندوستان، روم، ایران، ماوراء النہر اور مغربی علاقوں کی سنگلاخ چٹانوں کو چیرتا ہوا عرب ممالک میں رائج ہوا اور وہاں کے لوگوں کے قلوب و اذہان کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فیض و انوار سے روشن و منور کرنے لگا۔ (۲۴)

حضرت خواجہؒ کے قیام حرمین کے اثرات:

حضرت خواجہ معصوم سرہندیؒ ۱۰۶۸ ہجری میں حرمین شریفین پہنچے تو آپ کا زبردست استقبال کیا گیا، باوجود اس کے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کے عربی تراجم میں اس سلسلے کی ترویج و اشاعت نے ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ روز بروز اس میں ترقی واقع ہوئی مگر آپؒ کی آمد سے جہاں خاص و عام نے بھرپور فائدہ اٹھایا وہیں مزید اس سلسلے کی زبردست نشر و اشاعت کا سبب بنے، مزید برآں اس مقدس سفر کے دوران سلسلہ عالیہ پر ایسی شاہکار و لازوال کتب تالیف ہوئیں جو ایک سنگ میل کی حیثیت کا درجہ رکھتی ہیں اور آنے والے ادوار میں ان کتب نے صوفیہ، محققین اور مورخین پر گہرے اثرات چھوڑے۔ ان اہم کتب میں لطائف مدینہ، مقامات احمدیہ و معصومیہ، رسائل مکاشفات، نتائج الحرمین، مواہب القیوم فی تائید احمد و معصوم، المفاظلہ بین الانسان والکعبہ اور دیگر رسائل قابل ذکر ہیں جنہوں نے مجددی حضرات کے عقائد و نظریات کو واضح کیا اور دور رس اثرات مرتب کیے ہیں۔ (۲۵)

حضرت خواجہؒ کی علمی خدمات:

حضرت عروۃ الوثقی ایک جلیل قدر، عالی المرتبت عظیم الشان عارف باللہ اور عالم وفاضل تھے، آپ کو اگرچہ دعوت وارشاد کے سلسلے میں بے پناہ مصروفیت اور خدمت خلق کے باعث تصنیف وتالیف کے مواقع میسر نہیں آئے، اس کے باوجود طالبان حق کی راہنمائی اور معاشرے کی بہتری کیلئے اپنے مکتوبات شریفہ کی تین ضخیم جلدیں اور کئی رسائل یادگار چھوڑے ہیں جن کے مطالعہ سے قلوب واذہان کو چاشنی، روح کو تازگی اور زندگی میں اللہ کی راہ میں کچھ کرنے کا ذوق اور جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ آپ کی اپنے والد بزرگوار کی طرح ایک کرامت ہے کہ مکتوبات اور دیگر رسائل کے مطالعہ سے سینے کو انشراح، قبض کو بسط اور مہجوروں کو وصال نصیب ہوجاتا ہے۔

آپ کی اہم تصانیف درج ذیل ہیں۔

مکتوبات معصومیہ

یواقیت الحرمین

مکاشفات غیبیہ

اذکار معصومیہ

بیاض حضرت خواجہ محمد معصومؒ

رسالہ دراذکار یومی ولیلی

رسالہ دراصطلاحات نقشبندیہ

رسالہ درآداب صوفیہ (۲۶)

حیاتِ حضرت خواجہ کے ماخذ:

حضرت خواجہ محمد معصومؒ اور ان کے کارنامہ ہائے دینی وجہادی پر آپ کے معاصرین، قریب العہد اور متاخرین سبھی نے لکھا ہے جس کے مطالعہ سے آپ کی شخصیت، دھنک کے رنگوں کی مانند نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ان میں سے اہم کتب درج ذیل ہیں:

مکتوبات امام ربانی،	وصال احمدی،
زبدۃ المقامات،	حضرات القدس،
مجمع الاولیائ،	سنوات الاتقیائ،
طبقات شاہجہانی،	مکتوبات سعیدیہ،
لطائف المدینہ،	مقامات احمدیہ ومناقبِ حضرات معصومیہ،
نتائج الحرمین،	تحفت المعصوم،
اسراریہ،	کنزالہدایات،
ریاض الاولیائ،	مراۃ جہاں نما،
مفتاح العارفین،	خزینۃ المعارف،
مکتوبات سیفیہ،	وسیلۃ القبول،
مکتوبات گلشن وحدت،	ظواہرالسرائر،
مقامات حضرات خمسہ،	مواہب القیوم فی تائید الاحمد والمعصوم،
تحفۃ الفقرائ،	حسنات المقربین،
گلزاراسرارالصوفیہ،	مقامات حضرت خواجہ محمد معصومؒ،
روضۃ القیومیہ،	عمدۃ المقامات،
تحفہ المرشد،	انوارالسالکین،
جواہر معصومیہ،	انوار معصومیہ،
عالمگیرنامہ،	مرآۃ العالم،
مآثر عالمگیری،	خدام الفرقان

حضرت مجدد الف ثانیؒ وکارنامہ ہای جہادی (۲۷)

وصال صد ملال:

آپ کو وجع المفاصل کا مرض تھا آخر میں اس مرض نے بہت غلبہ کیا اور اللہ کی اس عظیم نشانی اور عارف باللہ نے بروز شنبہ دو پہر کے وقت ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو سورہ یاسین پڑھتے ہوئے اور آخر میں السلام علیک یا نبی اللہ کا ورد کرتے ہوئے (۲۸) وصال فرمایا اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔مزار پرانوار سرہند شریف ہندوستان میں مرجع خلائق ہے۔(۲۹)

بسال تسع تسعین ز الف ثانی چنیں فرزندِ شاہِ اولیاء رفت
من کیستم کہ باتو دمِ بندگی زنم چندیں سگانِ کوئے تو یک کمتریں منم

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سرہند سے دو میل دور، کچھ فاصلے پر واقع ہے۔

۲۔ سیدزوارحسین شاہ، علامہ، انوار معصومیہ، کراچی: ادارہ مجددیہ، ۱۴۰۰ھ، ص ۱۸

۳۔ کشمی، خواجہ محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، مترجم، ڈاکٹر غلام مصطفی وڈاکٹر صغیر الدین، سیالکوٹ: مکتبہ نعمانیہ، ۱۴۰۷ھ، ص ۴۲۸

۴۔ محمد فضل اللہ قندھاری، حاجی، عمدۃ المقامات، ترکی: مکتبۃ الحقیقۃ، ۱۴۳۵ھ، ص ۲۵۱

۵۔ مؤلف شرح وقایہ

۶۔ میر صفر احمد معصومی، مقامات معصومی، لاہور: مکتبہ ضیاء القرآن، ۲۰۰۴، جلد سوم، ص ۵۸

۷۔ محمد احسان مجددی، خواجہ، روضۃ القیومیہ، مرتب، اقبال احمد فاروقی، لاہور: مکتبہ نبویہ، ۲۰۰۲ء، جلد ۲، ص ۳۱

۸۔ حفیظ اللہ سیرت طالقانی، حضرت مجدد الف ثانی کارنامہ ہای جہادی، کابل: ۱۳۶۶ھ، ص ۱۳۰

۹۔ محمد نعیم صدیق، خواجہ، خدام الفرقان، کابل: خانقاہ مجددیہ قلعہ جواد، ۱۳۹۱ھ، ص ۹۱

۱۰۔ محمد روح اللہ، مولانا، جواہر مجددیہ، کراچی: مکتبہ دار الاشاعت، ۱۴۲۷ھ، ص ۱۰۶

۱۱۔ محمد فضل اللہ قندھاری، عمدۃ المقامات، ص ۲۵۷

۱۲۔ حفیظ اللہ سیرت طالقانی، حضرت مجدد الف ثانی کارنامہ ہای جہادی، ص ۱۳۰

۱۳۔ احمد سرہندی، شیخ، مکتوبات امام ربانی، مترجم، سیدزوارحسین شاہ، دہلی: مکتبہ شاہ ابوالخیر اکادمی، ۱۴۳۳ھ، دفتر اول، حصہ دوم ص ۴۴۴

۱۴۔ بدرالدین سرہندی، علامہ، حضرات القدس، سیالکوٹ: مکتبہ نعمانیہ، ۱۴۰۳ھ، ص ۲۸۵

۱۵۔ میر صفر احمد معصومی، مقامات معصومی، جلد دوم، ص ۹۱

۱۶۔ محمد امین نقشبندی مجددی، خواجہ، مقامات احمدیہ، لاہور: مکتبہ قومی اللہ والے کی دکان، س ن، ص ۱۴۷

۱۷۔ احمد سرہندی، شیخ، مکتوبات امام ربانی، پشاور: مکتبہ سعیدیہ، س ن، جلد ۳، مکتوب ۱۰۶، ص ۸۴

۱۸۔ محمد امین بدخشی، شیخ، مناقب الحضرات، مترجم، ڈاکٹر معین نظامی، خانقاہ فتحیہ، کشمیر، ۲۰۰۲، ص ۴۱۸

۱۹۔ سیف الدین، خواجہ، مکتوبات سیفیہ، کراچی: امام ربانی فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸، ص ۱۹۳

۲۰۔معصوم سرہندی، خواجہ، مکتوبات معصومیہ، کابل: خانقاہ مجددیہ، س ن، جلد اول، مکتوب ۶۴، ص ۱۹۳
۲۱۔ ایضاً، مکتوب ۱۷۸، ص ۳۴۰
۲۲۔ ایضاً، مکتوب ۱۷۷، ص ۳۳۹
۲۳۔ ایضاً، مکتوب ۱۷۹، ص ۳۴۱
۲۴۔محمد شاکر بن بدرالدین، حسنات الحرمین، ڈیرہ اسماعیل خان، مکتبہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، ۱۹۸۱، ص ۳۴
۲۵۔ محمد اقبال مجددی، مقامات معصومی، مقدمہ، جلد اول، ص ۲۰۹، ۲۹۲
۲۶۔ ایضاً، ص ۲۴۸، ۲۶۶
۲۷۔ ایضاً، ص ۲۶۷
۲۸۔ صدیقی، محمد بدرالاسلام، انوار خواجہ شاہ احمد سعید دہلویؒ، جہلم: خانقاہ سلطانیہ، ۱۴۳۲ھ، ص ۳۱
۲۹۔ شاہ ابوالحسن فاروقی، علامہ، مقامات خیر، دہلی: شاہ ابوالخیر اکیڈمی، ۱۴۳۱ھ، ص ۶۵

علامہ فضل حق خیر آبادیؒ اور تحریک آزادی

محمد انس گورایہ☆

ABSTRACT:

In 19th century, the Ulama of Indo-Pak subcontinent played an active role in promoting the freedom movement. The Ulama's tradition of the participation in politics is very old. In subcontinent the unique role in freedom movement was laid by Fazal Haq Khairabadi, who did not hesitate to confront with the British Royal Authority and put his life at stake, to light the torch for the regeneration of the Islamic spirit. His Fatwa-e-Jihad has prominent his moral character, he sacrificed for his poise holy land during in prison at Andoman Island, India.

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ باشندگان برعظیم کی فکری راہنمائی کا فریضہ ہمیشہ علماء دین نے انجام دیا۔تحریک آزادی ہند میں پیدا ہونے والا جوش وخروش بھی انہی زعماء کا مرہون منت ہے۔ استخلاص وطن کے لئے جہاں تک ان کی تگ وتاز، قید وبند کی صعوبتوں اور جان و مال کی قربانیوں کا تعلق ہے ہم کو ان کا ممنونِ احسان ہونا چاہئے۔انہی میں سے ایک نابغہ روزگار شخصیت مولانا فضل حق خیر آبادیؒ ہیں۔

☆ پی ایچ۔ڈی سکالر (سیشن۔۲۰۱۲ء)

پیدائش وخاندان:

مولانا فضل حق ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء اپنے آبائی وطن خیر آباد میں پیدا ہوئے۔(۱) آپ کا سلسلہ نسب فضل حق بن مولانا فضل امام بن شیخ محمد ارشد بن حافظ محمد صالح، تینتیس واسطوں سے حضرت عمرؓ بن خطاب تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد مولوی فضل امام خیر آبادی دہلی میں صدر الصدور کے عہدہ پر متمکن تھے۔(۲) آپ رئیس زادے تھے، جب آپ پڑھنے کے لئے جاتے تو کتابیں اٹھانے کے لئے ساتھ خدمت گار بھی ہوتا اور ہاتھی یا پالکی وغیرہ پر سفر کرتے تھے۔(۳) گونہ فکر معاش تھی نہ علم سے دوری۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے گویا علم کی آغوش میں آنکھ کھولی، والد گرامی مولوی فضل امام نے اپنے بیٹے کی تربیت فریضہ منصبی کی مصروفیات کے باوجود سفری اوقات میں اپنی سواری ہاتھی یا پالکی پر بٹھا کر شروع کی۔(۴) اس وقت جب بچہ سات آٹھ برس کا ہوتا تو پڑھنے کے لئے مدرس کے پاس بھیجا جاتا تھا، آپ کو بھی وقت کے لاثانی استاد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت عالیہ میں سلسلہ تلمذ کے لئے لے جایا گیا۔ شاہ صاحب اور مولوی فضل امام کے آپس میں پہلے سے روابط تھے۔ شاہ صاحب نے پوچھا شعروشاعری سے کچھ لگاؤ ہے؟ اس ہونہار طالب علم نے امرؤ القیس کی شان میں قصیدہ سنایا۔ شاہ صاحب نے کہا اس میں تو یہ لفظ عربی لغت سے نہیں ہے۔ آپ نے بیس عربی اشعار اور سنائے جن میں وہی لفظ (غریب العرب) استعمال ہوا تھا۔ آپ کے والد نے کہا حدِ ادب ملحوظ رکھی جائے۔(۵) اس کے بعد آپ شاہ صاحب سے دن رات طلب علم میں مصروف ہو گئے۔ حدیث کی باقاعدہ تعلیم شاہ عبدالقادر سے پائی۔(۶) قرآن کریم صرف چار ماہ میں حفظ کرلیا۔(۷)

نواب صدیق حسن خاںؒ مولانا کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الشیخ عبدالعزیز اخوہ عبدالقادر کان عالما زاھدا فاضلا عابدا ذاورع فی الدین و له وجه وای وجه بین المتقین صادق الفراسته، حسن التوسم،

اخذ عنه جماعة اجلهم الشيخ ابو العلاء فضل حق العمری الخير آبادی۔"(۸)

۱۲۲۵ھ/ ۱۸۰۹ء میں جب آپ کی عمر تیرہ سال ہوئی تو تمام مروجہ علوم کی تحصیل کر چکے تھے۔مولانا فضل حق علوم عقلیہ ونقلیہ میں علماءِ عصر پر فوقیت رکھتے تھے،جس کا اندازہ سر سید احمد خانؒ کی درج ذیل سطور سے ہوتا ہے:

''جمیع علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق وحکمت کی تو گویا انہی کی فکر عالی نے بنا ڈالی ہو۔علماء عصر بل فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس گروہ اہل کمال کے حضور میں بساطِ مناظرہ آراستہ کرسکیں۔بارہا دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ آپ کو یگانہ فن سمجھتے تھے، جب ان کی زبان سے ایک حرف سنا،دعوائے کمال کو فراموش کر کے نسبتِ شاگردی کو اپنا فخر سمجھتے۔''(۹)

شعروشاعری:

مولاناؒ کو شعروشاعری سے خاص شغف تھا، ان کے چار ہزار سے زائد اشعار عربی ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔(۱۰) آپ اردو میں شاعری نہیں کرتے تے،مگر آپ کی رائے سند کا درجہ رکھتی ہے۔کھیلوں میں آپ کو شطرنج کا بڑا شوق تھا۔(۱۱)

تحریکِ آزادی میں حصہ:

مولانا فضل حق کے جو حالات میسر ہیں ان کا مطالعہ کرنے سے ذہن میں سوال آتا ہے کہ آخر کیا بات تھی،اور وہ کیا اسباب تھے جن کی بناء پر مولانا نے سید صاحب کی تحریک جہاد میں مولانا شہید اور سید عبدالحئیؒ کی طرح بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیا؟ راقم کے نزدیک اس کی دو وجوہات ہیں۔اول سید صاحب اور مولانا شہید کے بعد مولانا فضل حق کو تحریک جہاد میں وہ نمایاں کردار ادا کرنا تھا جو وقت کے علماء میں سے کوئی اور نہ کرسکتا تھا نیز اس تحریک سے وابستگی کی بناء پر آزادی کا سب سے بڑا معاون بننا تھا۔دوم مولانا کے خاندان میں انگریز سرکار کے اعلیٰ عہدہ پر تقرری تھی۔

اس طرح مولانا فضل حق، سید صاحب کی حیات مبارکہ میں عملی طور پر جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔ جہاں تک ان اقوال کا تعلق ہے جو مولانا شہید اور مولانا فضل حق کے درمیان عداوتی تھے، وہ سب عارضی تھے کیونکہ مولانا فضل حق کا انگریز سرکار کے خلاف فتویٰ دینا، سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی طرح اپنے استاذ و مرشد شاہ عبدالعزیزؒ کے مشن (آزادی) کی تکمیل کے سوا کچھ نہ تھا۔

مولانا نے تحصیل علم سے فراغت پاتے ہی ۱۸۱۶۔ ۱۸۱۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کر لی۔ آپ انگریز ریذیڈنٹ کے سر رشتہ دار مقرر تھے۔(۱۲) کچھ عرصہ کے بعد آپ مستعفی ہو گئے اور دہلی چھوڑ کر جھجر، الور، ٹونک، سہارنپور اور رامپور میں باعزت عہدے سنبھالتے ہوئے ۱۸۴۸ء میں لکھنؤ میں ''حضور تحصیل'' کے مہتمم صدر الصدور ہو گئے۔(۱۳)

دراصل بالاکوٹ کے سانحہ کے بعد آپ کے دل و دماغ میں انقلاب سا آ گیا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ آپ نے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کے لئے ریاستوں کے دورے کئے۔ مولانا کے حالات زندگی بہت کم لکھے گئے اس لئے زیادہ معلومات نہیں مل سکیں۔ جس دور میں سید صاحب تحریک جہاد میں مصروف تھے، علامہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت کرتے تھے۔ محمود احمد برکاتی نے لکھا ہے کہ یہ ملازمت ناپسند ہونے کے باوجود والد ماجد کے حکم اور خواہش کی ایک سعادت مندانہ تعمیل تھی۔(۱۴)

والد کی وفات کے بعد مولانا نے یہ شاہی نوکری چھوڑ دی تھی۔ اس کے بعد آپ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی ابتداء ہوتی ہے۔ مولانا مسلمانوں کے لئے بالخصوص اور ہندوؤں کے لئے بالعموم انگریز سرکار سے منصفانہ رویہ کی کوشش میں رہے۔ آپ چونکہ ملازمت بھی کرتے رہے تھے اس لئے سرکاری قوانین کو بہتر جانتے تھے۔ یہاں کے لوگوں کی اقتصادی حالت کے حوالے سے آپ نے ایک درخواست ۱۸۲۷ء کو اکبر شاہ ثانی کے نام لکھی، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''یہاں کے باشندے ملازمت، تجارت، زراعت، حرفت، زمینداری اور دریوزہ گری پر معاش رکھتے ہیں۔ انگریزوں کی حکومت کے قیام کے بعد سے معاش کے یہ تمام وسائل

مسدود و مفقود ہو گئے ہیں۔ ملازمت کے دروازے شہریوں پر بند ہیں۔ تجارت پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ کپڑے، ظروف اور گھوڑے وغیرہ تک وہ خود انگریزوں سے لے کر فروخت کر کے نفع کماتے ہیں۔ معافی داروں کی معافیاں ضبط کر لی گئی ہیں۔ جاگیرداروں کے ہاں ہزاروں آدمی فوج انتظامی امور اور شاگرد پیشہ کی خدمت پر مامور تھے۔ اب یہ زمینیں انگریز سرکار نے ضبط کر لی ہیں اور لاکھوں کسان بے روزگار ہو گئے ہیں۔ بیواؤں کی معاش چرخہ کاتنے، رسیاں بٹنے اور چکی پیسنے پر موقوف تھی۔ اب رسی کی تجارت بھی حکومت (کمپنی) نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور ہاتھ کی چکیوں کی جگہ پن چکیاں لگ گئیں ہیں اور یہ ذریعہ معاش بھی جاتا رہا۔ عوام کی اس بے بضاعتی اور بے روزگاری کی وجہ سے اہل حرفہ اور ساہوکار بے روزگار اور رزق سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس پر مستزاد اب چارلس مٹکاف نے یہ حکم دیا کہ غریب، زر چوکیدارادا کریں، یہ ٹیکس پہلے کبھی نہیں لیا جاتا تھا۔ دوسرا حکم یہ ہوا بڑھئی کے دروازے پر پھاٹک لگایا جائے جس کا کوئی فائدہ معلوم و منصور نہیں ہے۔ تیسرا حکم یہ ہوا کہ ان پھاٹکوں کے کھلنے اور بند کرنے کے اوقات مقرر ہوں جس سے ہمیں مشکلات کا سامنا ہے۔''(۱۵)

اس سے علامہ کی مسلمانوں کے ساتھ ہمدردیاں اور انگریز کے ساتھ برتاؤ کا پتا چلتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو انگریزوں سے اختلاف وطنیت کی بناء پر نہ تھا بلکہ مذہباً تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا کا فتویٰ:

علامہ صاحب کی علمیت کا تو ہر کوئی معترف ہے مگر ثابت قدمی میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ اس حوالے سے ایک اہم اور پیچیدہ مسئلہ ''فتویٰ جہاد'' ہے۔ مولانا امتیاز علی عرشی نے لکھا ہے کہ ''مولانا فضل حق کا جہاد کے فتویٰ سے کوئی تعلق نہ تھا۔''(۱۶) اور پھر تاریخ عروج سلطنت انگلش مولفہ مولوی ذکاء اللہ کا اقتباس نقل کر کے بتایا ہے کہ جنرل بخت نے اپنے ورودِ دہلی (۲ جولائی ۱۸۵۷ئ) کے بعد علماء سے جو فتویٰ حاصل کیا تھا اس پر دستخط کرنے والے علماء میں علامہ فضل حق

کا نام نہیں ملتا۔ اس جیسی ہی بات مالک رام نے اپنے ایک آرٹیکل میں علامہ صاحب کی عدم موجودگی پر موقوف کی ہے، یعنی جس وقت فتویٰ دیا گیا آپ وہاں تھے ہی نہیں۔(۱۷)اول الذکر دعویٰ کا ردنادم سیتاپوری نے ۲۵ مارچ ۱۹۷۵ءکو ان الفاظ میں کیا:

''میں مولانا عرشی کی علمی سنجیدہ روی، شائستگی اور متانت کا ہمیشہ معترف رہا اور آج بھی ان کی تحقیق و علمی عظمت کا قائل ہوں۔اس لئے میں نے جب مولانا کے مضمون میں مولانا خیرآبادی کے متعلق یہ جملے دیکھے تو کچھ دیر تک اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ رہا، ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولانا خیرآبادی نے ''غیر شرعی شوق شہادت'' سے مجبور ہو کر ایسا ''جھوٹ'' بولا تھا۔ جو اگر باور کر لیا جائے اور اس کے مطابق انہیں پھانسی دے دی جاتی تو وہ ایک طرح کی خودکشی کے مرتکب ہوتے۔(۱۸)

دوسری جگہ کہتے ہیں کہ مولانا عرشی نے مولانا کے ساتھ تحقیقی برتاؤ نہیں کیا ہے۔(۱۹)

اسی سلسلے میں محمد اکبرآبادی رقم طراز ہیں کہ پہلے یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ صادق الاخبار میں جو فتویٰ شائع ہوا تھا کیا یہ وہی فتویٰ تھا جو بخت خان نے حاصل کیا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ وہ فتویٰ نہیں تھا کیونکہ:

(i) بخت خاں نے جو فتویٰ حاصل کیا تھا ذکاء اللہ ہی کے مطابق اس میں لکھا تھا: ''مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہوگئی تو وہ ان کے سب بیوی بچوں کو قتل کر ڈالیں گے''۔مگر صادق الاخبار کے فتوے میں اور صادق الاخبار کے عکس سے عرشی صاحب نے اپنے آرٹیکل میں جو نقل کیا ہے یہ الفاظ نہ ان سے ملتے جلتے ہیں اور نہ ان کا مفہوم۔

(ii) ذکاءاللہ نے لکھا ہے ''مولوی محبوب علی اور خواجہ ضیاءالدین نے فتوے پر مہریں نہیں لگائیں، مگر اس فتوے پر پانچویں نمبر پر اول الذکر اور سولہویں نمبر پر ثانی الذکر کے

دستخط موجود ہیں۔(۲۰)اس لئے ہم بجا طور پر یہ فیصلہ اخذ کر سکتے ہیں بخت خاں نے جوفتویٰ حاصل کیا تھا وہ دوسرا تھا اور یہ کوئی اور تھا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا نے جنرل بخت کا پورا پورا ساتھ دیا۔(۲۱) مولانا فضل حق خیر آبادی ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء کو دہلی میں تشریف لائے جبکہ فتویٰ جہاد مورخہ ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء کو صادق الاخبار دہلی میں پہلے ہی شائع ہو چکا تھا۔(۲۲) اس لئے ہم یہ بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ مولانا فضل حق خیر آبادی نے مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ نہیں دیا۔

انگریز کی مخالفت کے اسباب:

علامہ فضل حق خیر آبادی کے ہاں انگریزوں کے خلاف عملداری کے درج ذیل اسباب تھے۔

۱۔ عیسائیت کی تبلیغ کے ذریعے مسلمانوں کو اسلام سے دور لے جانا چاہتے تھے۔

۲۔ پیداوار کاشتکاروں سے لے کر انہیں دام دینا، اور خود خام جنسوں پر قابض ہو کر منڈیوں کے نرخ گھٹانے بڑھانے کا مختار بن جانا۔

۳۔ مسلمانوں کو ختنہ کرانے سے روکنا، پردہ نشین خواتین کا پردہ ختم کرانا۔

ہنومان گڑھی کا واقعہ اور گرفتاری:

یہ علاقہ سلطنت اودھ میں شامل تھا۔ ہنومان گڑھی کا جو مشہور واقعۂ جہاد پیش آیا جس میں مولوی امیر علی امیر المومنین تھے، مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی سعد اللہ رام پوری اور مولوی محمد یوسف فرنگی محل نے مولوی امیر علی اور جہاد ہنومان گڑھی کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔(۲۳) اس وقت والی اودھ واجد علی شاہ تھے۔اس وقت مولانا ان کے ہاں ملازم بھی تھے۔

آپ لکھتے ہیں:

> ''مجھے اس کا بالکل خیال نہ رہا کہ بے ایمان کے عہد و پیماں پر بھروسہ اور بے دین کی قسم ویمین پر اعتماد کسی بھی حالت میں درست نہیں خصوصاً جبکہ وہ بے دین جزا و سزا آخرت کا بھی قائل نہ ہو۔''(۲۴)

چندروز اطمینان سے گزر گئے پھر دو آدمیوں نے مولانا کی مخبری کی جنہیں وہ مرتد، جھگڑالو اور تندخو بتاتے ہیں۔(۲۵)

مولانا مہر لکھتے ہیں۔

''۱۸۵۹ء میں سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے اور ان پر سلطنت مغلیہ سے وفاداری یا فتوائے جہاد یا جرم بغاوت میں مقدمہ چلا۔''(۲۶)

مقدمہ بازی اور سزا:

جس جج کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا گیا وہ مولانا کا شاگرد تھا اور بڑی عزت کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وقت کے اس مجاہد کو سزا نہ دی جائے مگر مولانا نے خود اعتراف کیا کہ فتویٰ میں نے دیا تھا، اس کے بعد صرف سزا ہی ہو سکتی تھی، چنانچہ انڈیمان بھیج دیا گیا۔(۲۷) جزیرہ انڈیمان خلیج بنگال کے مشرق میں کلکتہ سے چھ سو میل کی مسافت پر واقع ہے۔(۲۸) جب مولانا انڈیمان پہنچے تو انہیں صفائی کرنے پر لگایا گیا۔ ٹوکرا لے لیتے اور کوڑا کرکٹ جمع کر کے پھینک آتے تھے ان کے کپڑے اتروا لئے گئے تھے۔ تہبند اور کملی دے دی گئی تھی، پاؤں میں جوتا بھی نہ تھا۔(۲۹)

وفات:

مولاناؒ نے ۱۲ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء کو جزیرۂ انڈیمان میں ہی داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔(۳۰)

علامہ فضل حق خیر آبادی ایک عہد آفرین شخصیت تھے۔ آپ کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔ علامہ خیر آبادی جیسے جن لوگوں نے کسی بھی حوالے سے اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لیے خدمات سرانجام دی ہیں، ان کی زندگیوں کے روشن پہلوؤں کو نصاب تعلیم کا حصّہ بنانا چاہئے، صوبائی اور قومی سطح پر کانفرنسز کا انعقاد کر کے لوگوں میں ان کی خدمات کا شعور بیدار کیا جائے تا کہ علمی و ثقافتی ورثہ کی آبیاری ہو سکے اور موجودہ نسل اپنے اکابر کے کارناموں سے روشناس رہے۔

حوالہ جات

۱۔ خیرآبادی،مولانافضل حق،الثورۃالہندیہ،مترجم:عبدالشاہدخان شروانی،لاہور: مکتبہ قادریہ،۱۹۷۸ء،ص۶۶
۲۔ عبدالرحمن،منشی، تذکرہ علماء ہند،مترجم:محمدایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی،۱۹۶۱ءص۳۷۶
۳۔ خیرآبادی،فضل حق،الثورۃالہندیہ (مترجم)،ص۷۵
۴۔ ایضاً،ص۷۵
۵۔ خیرآبادی،فضل حق، تحقیق الفتویٰ،مترجم: عبدالحکیم شرف قادری،سرگودھا: شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی،۱۹۷۹ئ،ص۸
۶۔ تھانوی،اشرف علی،مولانا،حکایات اولیائ،لاہور: رائٹرز بک کلب،س ن،ص۸
۷۔ عبدالرحمن،منشی، تذکرہ علماء ہند،ص۳۸۲
۸۔ صدیق حسن خاں،نواب،ابجدالعلوم،لاہور: المکتبۃ القدوسیہ، ۱۹۷۳ئ،ج۳،ص۲۴۵
۹۔ سرسیداحمدخاں،مقالات سرسید،لاہور:مجلس ترقی ادب،(س ن)،ج۱۶،ص۱۴۸
۱۰۔ خیرآبادی،فضل حق، تحقیق الفتویٰ،ص۱۱
۱۱۔ محمدسعیدالرحمن،علامہ فضل حق خیرآبادی اور جہادآزادی،لاہور:سنی پبلشرز،۱۹۸۷ئ،ص۷۷
۱۲۔ آزاد،محمدحسین، آب حیات،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۵ئ،ص۴۱۰
۱۳۔ خیرآبادی،فضل حق،الثورۃالہندیہ (مترجم)،ص۱۴۳
۱۴۔ برکاتی،حکیم محموداحمد، فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون،کراچی: برکات اکیڈمی،۱۹۷۵ئ،ص۲۱
۱۵۔ برکاتی،حکیم محموداحمد، فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون،ص۲۴،۲۵(اصل عبارت فارسی میں ہے)
۱۶۔ محمدسعیدالرحمن،علامہ فضل حق خیرآبادی اور جہادآزادی،ص۲۱۵-۲۳۰
۱۷۔ ایضاً، ص۲۳۱-۲۷۰
۱۸۔ ماہنامہ''تحریک'' دہلی: اگست۱۹۵۷ئ، ص۱۰،۱۱
۱۹۔ برکاتی،محموداحمد، فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون،مقدمہ؛ نادم سیتاپوری

۲۰۔ ایضاً، ص۶۸۔۱۷

۲۱۔عبدالقادر، علم وعمل، کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آف پاکستان، ۱۹۶۰ئ، ج۱،ص۲۵۸

۲۲۔ قریشی، افضل حق، مولانا فضل حق خیرآبادی، ایک تحقیقی مطالعہ، لاہور: الفیصل، ۱۹۹۲ئ،ص۱۵۵

۲۳۔ رامپوری، حکیم نجم الغنی خاں، تاریخ اودھ لکھنؤ: نول کشور پریس، ۱۹۱۹ئ، ج۵،ص۲۲۲، ۲۲۳

۲۴۔ خیرآبادی، فضل حق، الثورۃ الہندیہ،ص۱۵۸

۲۵۔ ......ایضاً......

۲۶۔ مہر، غلام رسول، ۱۸۵۷ء کے مجاہد، لاہور: کتاب منزل، س ن،ص ۱۳۴

۲۷۔ عبدالقادر۔علم وعمل،ص۲۵۸

۲۸۔ تھانیسری، محمد جعفر، کالا پانی، فیصل آباد: طارق اکیڈمی، ۱۹۷۷ئ،ص۹۱

۲۹۔ مہر، غلام رسول، ۱۸۵۷ء کے مجاہد،ص۱۳۶

۳۰۔ عبدالقادر، علم وعمل،ص۲۵۸

پیر نصیر الدین نصیرؒ کی شاعری میں رموزِ تصوف و سلوک

صفیہ بیگم☆

ABSTRACT:

Syed Ghulam Naseer-u-din Naseer Golarwi, also known as Peer Naseer, is author of more than twenty books. He was a scholar, poet, reformer, and renowned spiritual personality of Pakistan. His services towards Islam and literature are tributable. Peer Sahib was "Sajjada Nasheen" of spiritual family of Golra Sharif and a poet of national eminence in his own right. His poetic books had won acclaim. Tassawuf-o-salook is the major part of his poetry. He properly used different terminologies of Tassawuf-o-salook in his poetry. He was against traditional mysticism, and favoured it as a mean of practical, moral and spiritual training for development of personality.

سید نصیر الدین نصیر گولڑوی (۱۴ نومبر ۱۹۴۹ئ۔ ۱۳ فروری ۲۰۰۹ء) بن سید غلام معین الدین گیلانی المعروف بڑے لالہ جی (۱۹۲۰ء۔ ۱۹۹۷ئ) بن سید غلام محی الدین گیلانی المعروف بابو جی (۱۸۹۱ئ۔ ۱۹۷۴ئ) بن پیر مہر علی شاہ (۱۸۵۹ء۔ ۱۹۳۷ئ) [۱] کئی کتب کے مصنف ہیں۔ان میں سے سات شعری مجموعے ہیں، باقی کتب فقہ، تصوف اور عصر حاضر کے مسائل کے متعلق ہیں۔آپ کی شخصیت بیک وقت تین حیثیتوں سے جلوہ گر تھی، بحیثیت عالم، بحیثیت عارف اور بحیثیت شاعر و ادیب۔ہر حیثیت دوسری حیثیت کے لیے باعثِ تقویت تھی۔

☆ ایم۔فل سکالر (سیشن ۲۰۱۴۔۲۰۱۶ء)

خانقاہی ماحول سے وابستگی کی بناء پر، آپ نے سلاسلِ طریقت کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ شریعت مطہرہ کی پابندی آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ پیر صاحب نے اپنی شاعری میں مباحث تصوف و سلوک کا کوئی مستقل باب تو قائم نہیں کیا، لیکن مباحث تصوف وسلوک، سلف صالحین کی زندگیوں کے متصوّفانہ پہلوؤں اور صوفیہ کے مراتب میں استعمال ہونے والی خاص اصطلاحات کا اپنی شاعری میں بھرپور اور برمحل استعمال کیا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

تجلی:

تجلی انوارِ حق کی وہ تاثیر ہے جو مقبولانِ بارگاہ پر ہوتی ہے، جس وجہ سے وہ اس درجہ پر پہنچتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔(۲)

سید نصیر الدین نصیرؔ، تجلی کی وضاحت اپنی شاعری میں یوں کرتے ہیں:

؎ مٹ گیا نقشِ دوئی عکسِ تجلی سے نصیرؔ
اب نظر آئینۂ ذات میں کون آتا ہے (۳)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

؎ اللہ اللہ نصیرؔ اُن کی تجلّی کا اثر
ذرے آئینۂ اسرار نظر آتے ہیں (۴)

اُن کی مشہور نعت کا مطلع ہے:

؎ لَو مدینے کی تجلّی سے لگائے ہوئے ہیں
دل کو ہم مطلعِ انوار بنائے ہوئے ہیں (۵)

اپنے نعتیہ مجموعہ کلام دین ہمہ اوست میں لکھتے ہیں:

؎ دِل میں یوں اُن کی تجلی کا تماشا دیکھا
آبگینے میں رواں نُور کا دریا دیکھا (۶)

مندرجہ بالا اشعار کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ ہر وہ کیفیت، شان اور حالت جس میں حق تعالیٰ کا یا اس کی کسی صفت یا اس کے کسی فعل کا اظہار ہو، تجلّی ہے۔ چونکہ اللہ کے ظہور کی شانیں لاانتہا ہیں، لہٰذا تجلیات بھی مختلف، متعدد اور خارج از حد و حِصر ہیں۔(۷)

الحقیقت:

ظہورِ ذاتِ حق بلا حجابِ تعیُّنات کو حقیقت کہتے ہیں۔ اس سے بندہ کا محل وصل الٰہی میں قائم ہونا ہے اور اُس کے وقوف کا سرمحل تنزیہہ ہے۔(۸) پیر نصیر الدین نصیؔر حقیقت کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

جب حقیقت سے اُٹھا پردہ ، تو یہ عُقدہ کھُلا
خواب تھا وہمِ دُوئی، زُعمِ خودی افسانہ تھا (۹)

العالم:

یہ مخلوق الٰہی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اٹھارہ ہزار ہیں، فلاسفہ پچاس ہزار عالم کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک عالم سفلی اور ایک علوی بھی ہے۔ ارباب اصول کہتے ہیں کہ عرش سے تحت الثریٰ تک جو کچھ ہے وہ عالم ہے۔ بہرحال عالم مختلف چیزوں کا جمع ہونا ہے، اہل طریقت کے نزدیک عالم ارواح اور عالم نفوس ہے اور اُن کی اس سے یہ مراد نہیں ہے جو فلاسفہ کی ہے کیونکہ اُن کے نزدیک عالم، اَرواح اور نفوس کا جمع ہونا ہے۔(۱۰)

پیر نصیر الدین اپنے اُردو غزلیات کے مجموعہ ''دست نظر'' میں کہتے ہیں:

دو عالم کے علاوہ کوئی عالم اور ہے شاید
اِن آئینوں میں وہ آئینہ گر دیکھا نہیں جاتا (۱۱)

تحیُّر:

مباحث تصوف و سلوک میں ایک اصطلاح تحیر بھی ہے۔ اس کے معنی ہیں حد سے زیادہ حیرانی، سلسلہ چشت میں عالم تحیر کا تذکرہ ملتا ہے۔

پیر صاحب نے اپنی شاعری میں تحیر کی وضاحت یوں کی ہے:

ے جدھر نظریں اٹھاؤ ایک عالم ہے تحیرّ کا
جسے دیکھو ، وہی اک نقش سا معلوم ہوتا ہے (۱۲)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

ے اِک قدم حلقہء وحشت سے نکالا نہ گیا
دشت میں جان گئی پاؤں کا چھالا نہ گیا (۱۳)

پیر صاحب عالم تحیر میں یوں بھی فرماتے ہیں:

ے نور و ظُلمت کی دو رنگی کے تماشے ہیں بہت
ہم نمائش گہِ ایجاد میں کیا کیا دیکھیں (۱۴)

تصَرُّف:

ے دِل پر ہی فقط موقوف نہیں ، ہر شے پہ تصَرُّف ہے اُن کا
کونین کا رُخ پھر جاتا ہے ، جس دَم وہ اشارہ کرتے ہیں (۱۵)

حضرت جنیدؒ سے روایت ہے کہ آپؒ کو ایک وقت بخار آیا۔عرض کی: الٰہی مجھے آرام عطا فرما۔آپؒ کو ندا آئی کہ جنید تُو کون ہوتا ہے جو میری ملکیت میں تصرّف کرتا ہے اور اپنا اختیار ظاہر کرتا ہے؟ میں اپنی مِلک میں تُجھ سے زیادہ مدّبر ہوں، تُو میرے اختیار کو اختیار کر اور اپنا اختیار ظاہر نہ کر۔(۱۶)

سید نصیر الدین نصیرؔ اپنی تالیف 'نام ونسب' کے شروع میں "عرض مصنف" میں رقم طراز ہیں:

"میں اپنی مشغولیت میں ڈوبی ہوئی زندگی اور بے شمار و متنوع رابطوں اور علائق کی گرانیوں پر نظر ڈالتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ آج تک جو فکری اور قلمی کاوش منظر

عام پر آئی اُس کی تخلیق اور پھر تدوین وترتیب کس طرح ہوئی۔ میرے خیال میں یہ محض مبداء فیض اور میرے اسلاف کرام کے روحانی تصرفات کی بدولت ہوا۔"(۱۷)

تصوّر:

تصوّر بھی پیر صاحب کی شاعری کا جزو ہے۔فرماتے ہیں:

؎ کر لیا اُن کو تصوّر میں مخاطب جِس دَم
رُوح کی پیاس بجھی ، قلب کا ہیجان گیا (۱۸)

تصورعشق مصطفیٰ ﷺ میں فرماتے ہیں:

؎ یہ کِس کا نُور تھا جو کر گیا روشن دِل و جاں کو
تصوّر سے یہ کِس کے جگمگا اٹھی شب یلدا (۱۹)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

؎ اب تیرے طالبِ دیدار گزارا ہی کریں
تیری تصویر تصور میں اتارا ہی کریں (۲۰)

توکل:

سورۃ مائدہ آیت ۲۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ"

"اور اگر تم مومن ہو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔"

نفس کو بندگی میں لگا دینا اور اربابِ دُنیا سے بے نیاز ہو جانا توّکل ہے۔توّکل حرص و طمع کو توڑ دیتا ہے۔جس نے توّکل کا انکار کیا اُس نے گویا ایمان کا انکار کیا۔ چنانچہ جب کوئی اسباب سے مشکل ہو جائے تو سمجھ لے کہ ایسا تقدیر الٰہی سے ہو رہا ہے۔(۲۱)

سید نصیرالدین نصیرؔ یوں رقمطراز ہیں:

بیٹھے ہیں آج ذوقِ توکّل سے مطمئن
جو پُوچھتے تھے اپنا مقدر، دکھا کے ہاتھ (۲۲)

زُہد:

زہد کے متعلق ابونصر السراجؒ فرماتے ہیں:

دُنیا سے اعراض، ہر نیکی اور عبادت کی اصل ہے۔۔۔ جسے دُنیا میں زُہد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔(۲۳)

زُہد کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ حرام کو چھوڑنا، یہ عوام کا زُہد ہے۔ ۲۔ حلال میں سے زائد چیزوں کو چھوڑنا، یہ خواص کا زہد ہے۔ ۳۔ اس چیز کو چھوڑ دینا جو اللہ سے غافل کر دے، یہ عارفین کا زُہد ہے۔(۲۴)

پیر صاحب کی شاعری میں زُہد اور زاہد کا ذکر درج ذیل حوالوں سے آیا ہے:

زُہد میں ہے نہ اتقاء میں ہے زندگی معتبر وفا میں ہے
راس آیا نہ جامۂ ہستی آدمی تنگ سی قبا میں ہے (۲۵)

زاہدوں کو بادہ نوشوں سے ہو کیونکر التفات
پارسائی اور شے، اندازِ رندانہ الگ (۲۶)

نام نہاد زاہدوں پر چوٹ کرتے ہوئے پیر صاحب یوں فرماتے ہیں:

دھیان زاہد کا خدا تک کسی صورت نہ گیا دسترس تھی اُسے تسبیح کے ہر دانے تک (۲۷)

سُکر:

سُکر کی وضاحت میں سید محمد ذوقیؒ فرماتے ہیں:

"ابتدائے شہود میں وہ واردات جو انوارِ عقل کی شعاعوں پر غالب آ کر اُنہیں مقید کر لیتی ہیں اور عقل کی قوّتِ مدرکہ میں بے حسّی پیدا کر دیتی ہیں۔ غلباتِ نورِ شہود جو

ابتدائے شہود میں سالک کی مغلوبی کا باعث ہوتے ہیں۔لیکن ان واردات کی تکرار سے سالک مغلوب الحالی سے باہر آ جاتا ہے اور راہ سلوک میں پھر عود کرتا ہے اور حقیقت مشہود کا کما حقہ مشاہدہ کرتا ہے اور اصل سے صحیح طور پر متصل ہو کر اپنی عقل کو پھر منور پاتا ہے اور متفرقات اور محسوسات میں امتیاز کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور تفرقاتِ حسّی اور معنوی کا اہل ہو جاتا ہے۔اس مقام کو صحو ثانی اور جمع الجمع کہتے ہیں اور سالک کے لیے یہ انتہائی مقام ہے۔(۲۸)

سید نصیر الدین نصیرؔ کی شاعری میں مقاماتِ سُکر کا تذکرہ بارہا ملتا ہے۔فرماتے ہیں:

ے بے خودی دِل کی مُجھے لے کے جہاں پہنچی ہے
کاش! منزل وہ مری کوچۂ جاناں نکلے
بے خودی میں نہ ہوئی ہم کو نصیر اپنی خبر
ہوش آیا تو ہمِیں جلوۂ جاناں نکلے (۲۹)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ے ہوش کھو کر ترے جلووں کا تماشہ دیکھا
دیکھنے والے نے دیکھا بھی تو یُوں کیا دیکھا (۳۰)
کوئی پُوچھے تو ذرا حضرتِ موسیٰ ؑ سے نصیرؔ
عالمِ ہوش میں جب آئے تو پھر کیا دیکھا (۳۱)

شکر:

شکر اہل تصوف وسلوک کی خاص صفت ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ“(ابراھیم:۷)

”اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔“

بقول پیر نصیر الدین نصیرؔ:

؎ یہ بندگی ہے کہ ہر حال میں ہو شُکر اُس کا
ہزار کچھ ہو مگر کوئی ناسپاس نہ ہو (۳۲)

صحیح بخاری میں فرمان رسول پاک ﷺ ہے:

"اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا وَّ لِمَ لَا اَفْضَلُ۔" (۳۳)

"کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں اور میں ایسا کیوں نہ کروں۔"

حضرت جنید بغدادیؒ شکر کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"اَلشُّکْرُ اَنْ لَّا تَرٰی نَفْسَکَ اَھْلاً لِّلنِّعْمَۃِ۔ (۳۴)

"شکر یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو اس نعمت کا اہل نہ سمجھو۔"

گویا زبان، دیگر اعضائے جسم اور دل سے عاجزی و انکساری کے ساتھ مُنعمِ حقیقی کا احسان مند رہنا شکر ہے۔

بقول پیر نصیرؔ:

؎ نصیر اب کس سے شکوہ کیجیے، یہ شُکر کی جا ہے
بہاروں کی طلب تھی، اُس نے قِسمت میں خزاں رکھ دی (۳۵)

صَحو:

صَحو صوفیاء کے نزدیک ایک مقام ہے جس میں ہوش وحواس قائم رہتے ہیں۔

پیر نصیر الدین نصیرؔ تضمین بر کلام حضرت احمد رضا بریلویؒ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حضور یوں عرض کرتے ہیں:

؎ صحو و تمکیں نے عجب رنگ جمایا تجُھ پر
سُکر و مستی کا کوئی لمحہ نہ آیا تجُھ پر

سائباں فضل کا خالق نے لگایا تجھ پر
وَرَفَعنا لَکَ ذِکرَکَ کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ، ذِکر ہے اُونچا تیرا (۳۶)

علمِ لدُّنی:

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے مناقب کے ضمن میں پیر صاحب اُن پر علم لدُّنی کی عطا کا ذکر اِس طرح کرتے ہیں:

ہم جمالِ اُوست در نظّارۂ فردوسِ نگاہ
ہم خیالِ اُوست اوہامِ غلط را سدِّ باب
باطنِ او حکمت آباد عُلُومِ مِنْ لَدُن
جانِ او خلوت سرائے نکتہ ہائے مستطاب (۳۷)

فقر:

مسلکِ فقر کے وارث ہیں حقیقت میں وہی
گالیاں سُن کے بھی جو لوگ دُعا دیتے ہیں
کوئی بیٹھے تو سہی اہل نظر میں جا کر
دلِ کو اِک آن میں آئینہ بنا دیتے ہیں (۳۸)

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"فقر آزمائش کا سمندر ہے اور اللہ تعالیٰ کی آزمائش تمام کی تمام عزت ہے۔" (۳۹)

سید نصیر الدین نصیرؔ بحضور حضرت علیؓ فقر کے ضمن میں اس طرح سلام پیش کرتے ہیں:

السلام اے فخرِ ناداری و نازِ مفلسی
السلام اے فقر را سرمایۂ کامل نصاب (۴۰)

اور کچھ ہم میں نصیرؔ اہل جہاں کو نہ ملے
کم سے کم فقر کے آثار تو مل جاتے ہیں (۴۱)

ابونصر سراجؒ کے بقول فقیر اللہ کے ساتھ دل سے معاملہ کرنے والا ہو، جن چیزوں سے اُسے محروم کیا گیا ہو، اُن میں وہ اللہ کی موافقت کرنے والا ہو۔ چنانچہ وہ فقر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی نعمت شمار کرتا ہو جس کے زائل ہونے کا خطرہ رہتا ہے، صابر ہو، فقر کو باعثِ ثواب سمجھتا ہو۔ اس بات پر خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے فقر کو اختیار کر رکھا ہے۔ (۴۲)

اس بات کی وضاحت پیر صاحب نے یوں کی ہے:

؎ وہی خود داریاں ہیں ، تمکنت ہے ، بے نیازی ہے
فقیری میں بھی اپنی شانِ سلطانی نہیں جاتی (۴۳)

فناء اور بقائ:

پیر صاحب فرماتے ہیں:

؎ بقا کی جُستجو ہے تو فنا کر اپنی ہستی کو
کہ ہست و بودِ عالم سے ہے دنیائے عدم پہلے (۴۴)

ابوالقاسم عبدالکریم قشیریؒ فرماتے ہیں:

"صوفیہ کے الفاظ میں لفظ "فنا" اور "بقا" بھی ہے۔ ایک جماعت نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ فنا کا مطلب بُرے اوصاف کا ساقط ہونا ہے اور بقا کا مطلب اچھے اوصاف کا اِس کے ساتھ باقی رہنا ہے اور جب بندہ ان میں سے کسی سے خالی نہیں ہوتا تو یہ بات معلوم ہے کہ جب ان میں سے ایک قسم نہیں ہوگی تو دوسری ضرور ہوگی۔ پس جو شخص اپنی بُری صفات کے اعتبار سے فناء ہوتا ہے تو اِس پر اچھی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔" (۴۵)

فناءفی اللہ:

؎ ہستی کی ہوس نہ آرزو رہ جائے
دل میں نہ مغایرت کی بُو رہ جائے
جس طرح سمندر میں فنا ہو قطرہ
اِس طرح مٹوں تجھ پہ کہ بس تُو رہ جائے (۴۶)

مقام فنا فی اللہ میں پہنچنا ولایتِ خاصہ کا مرتبہ ہے۔

جلائے گی اُنہیں اب کیا چمن میں برقِ فلک
جو آشیانۂ ہستی جلائے بیٹھے ہیں (۴۷)

گوشہ نشینی:

پیر صاحب فرماتے ہیں:

؎ مُدّت سے میں تھا گوشہ نشیں اُن کی یاد میں
آجاؤ! آئی ایک صدا لے گئی مجھے (۴۸)

چشتیہ اللہ سے تعلق قائم کرنے کے لئے جن ریاضتوں کو اپنا شعار بناتے ہیں اُن میں سے گوشہ نشینی یعنی عُزلت بھی ہے، گوشہ نشینی (عُزلت) درحقیقت بُری خصلتوں سے دُور رہنے کا نام ہے۔اس کی غرض صفات میں تبدیلی لانا ہے۔گوشہ نشینی حضرت محمد ﷺ کی سنت بھی ہے۔

مجاہدہ:

؎ دلیل سورۂ توبہ کی روشن آیت ہے
کہا خدا نے نبی ﷺ سے کہ جاہد الکفار
وہ کم نظر ہیں جو طاقت کا ساتھ دیتے ہیں
وہ مرد ہیں کہ جو کہتے ہیں حرفِ حق سرِ دار

یہ بات سچ ہے کہ تیری نبرد کاری نے
نکال دی ہے دماغوں سے بادِ استکبار (۴۹)

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (العنکبوت:۶۹)

حضرت حسن قرازؒ کا مجاہدہ کے متعلق ارشاد ہے:

''۱۔ جب تک فاقہ نہ ہو کھانا نہ کھائے۔ ۲۔ جب تک نیند غالب نہ آجائے، نہ سوئے۔ ۳۔ ضرورت کے علاوہ کلام نہ کرے۔'' (۵۰)

پیر صاحب فرماتے ہیں:

نہیں دُشوار کوئی منزلِ مقصود کا مِلنا
سفر در پیش ہو تو جستجو کرنی بھی آتی ہے (۵۱)

حضرت ابو علی دقاقؒ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے ظاہر کو مجاہدے کے ذریعے آراستہ کیا، اللہ اس کے باطن کو مشاہدے کے ذریعے آراستہ کریگا۔ (۵۲) نیز یہ کہ جو سالک شروع میں مجاہدہ نہیں کرتا (یعنی مشقت برداشت نہیں کرتا) اسے طریقت کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

جستجو اگر ہو ٹھکانے کی کون کہتا ہے گھر نہیں ملتا
جلوۂ ذات سے جو خالی ہو کوئی ایسا بشر نہیں ملتا (۵۳)

معرفت:

کس سے اسرارِ معرفت کہیے کوئی بالغ نظر نہیں ملتا (۵۴)

بقول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ:

"قلوبِ عارفین پر باعث معرفت تمام عالمِ ملکوت منکشف ہو جاتا ہے۔۔۔ درجہ معرفت انسان کے اندر جبلی ہے اس کے دلائلِ شرعی اور تجربہ اور حکایات موجود ہیں۔" (۵۵)

کشف المحجوب میں، کشف حجاب اول، معرفت الٰہی کو قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَاقَدَرُو اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔"

"انہوں نے نہ جانا اللہ کو، جیسے اُسے جاننے کا حق تھا۔"

معرفت تمام نیکیوں کی اصل ہے معرفتِ حق اور عرفانِ الٰہی اہل تصوف و سلوک کی اہم خوبی ہے۔

وجد:

؎ قسمت سے جو اُن کا رُخِ تاباں نظر آئے
کیوں وجد کے عالم میں نہ انساں نظر آئے (۵۷)

؎ طوافِ گُنبد خضرٰی کا جس دم دھیان آ جائے
ہم اس دم وجد میں اپنے دِل و جاں دیکھ لیتے ہیں (۵۸)

وجد کی کیفیت کو پیر صاحب ایک اور جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

؎ دِل وجد میں ہے نُور میں ڈوبی ہوئی آنکھیں
خوش ہیں ترا نقشِ کفِ پا دیکھ رہے ہیں (۵۹)

وحدت الوجود:

سید نصیر الدین نصیر ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ راہ رسمِ منزل ہا میں حقیقتِ حقہ کی جلوہ گری اور وجود و شہود کے عنوان کے تحت اس پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں۔ شاعری میں بھی اُن کی وحدت الوجود نظریہ کی تائید میں مثالیں نظر آتی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ کہیں شکل عابد، کہیں شکل معبود اصل میں ایک ہی ذات موجود ہے جو مختلف مظاہر میں جلوہ گر ہے۔

"رب العزت کا مرتبہ تنزل میں بشکل انسان و جن و عابد ہونا تو ظاہر ہے اور خود ذاتِ واجب کا معبود ہونا بھی شرعاً واضح ہے لیکن یہاں شکل معبود

میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے مظاہر سے جس مظہر کو اپنا معبود
بنایا مثلاً اصنام وغیرہ وہ شرعاً معبود نہیں ہیں۔"

؎ صورت فانی سے آخر کیوں نہ پہچانے گئے
مُجھ کو حیرت ہے کہ یہ بُت کیوں خدا مانے گئے (۶۰)

" کیونکہ اُن کی عبادت کی اجازت کسی شریعت میں نہیں ہوتی۔"(۶۱)

مزید فرماتے ہیں:

"عبادت صِرف اور صِرف مرتبۂ وجوب، الہ حق کی جائز ہے، مراتب مخلوق و
حادث کی عبادت جائز نہیں۔"

فرماتے ہیں:

؎ چھُپا بیٹھا ہے آخر کون میرے ساز ہستی میں
بہر پردہ کو صرفِ نوا معلوم ہوتا ہے (۶۲)

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

؎ بے خودی میں نہ ہوئی ہم کو نصیرؔ اپنی خبر
ہوش آیا تو ہمیں جلوہ جاناں نکلے (۶۳)

اہل تصوف وسلوک صوفیہ وسالکین کے لیے جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، سید نصیر الدین نصیرؔ اپنی شاعری میں اُن کو بھی استعمال میں لاتے ہیں۔ ان اشعار کو یہاں بغیر تشریح وتفصیل کے لیے درج کیا جاتا ہے۔

سالک:

؎ آستانش سالکاں را مستقر
گردِ راہش ، سرمۂ اہلِ نظر (۶۴)

عارف:

؎ عارفوں کو مژدہ شاہ عارفاں آنے کو ہے
اے زمیں سجدے میں گر جا! آسماں آنے کو ہے (۶۵)

ولی:

؎ عراق اے چمنستانِ اولیائے کبار
تری زمین کے ذرے ہیں روکشِ اقمار (۶۶)

مُرشد:

؎ نہ چھُوٹے اے نصیرؔ! اب آستانِ مُرشدِ کامل
مِلیں مجھ کو اِسی در سے مری تقدیر کے ٹکڑے (۶۷)

غوث:

؎ جَدِّ اُو قُطبِ زمیں ، غوثِ زماں
خواجہ شمس العارفین ، شمسِ جہاں (۶۸)

قُطب:

مندرجہ بالا شعر اس ضمن میں بھی آتا ہے، نیز سرزمین عراق کو سلامِ عقیدت بھیجتے ہوئے پیر صاحب فرماتے ہیں:

؎ میں اِس لیے تیری عظمت کو بھیجتا ہوں سلام
کہ تُو ہے مولدِ اَقطاب و مدفنِ اخیار (۶۹)

سِلسلہ چشت:

پیر صاحب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے نسبت کی وجہ سے سلسلہ چشت کا ذکر بھی اپنی شاعری میں کرتے ہیں:

ے مرا جہاں میں ظہور و خِفا معینی ہے
میں وہ ہوں جس کی فناء و بقا معینی ہے
ہم اہل چِشت ہیں خواجہؒ کے چاہنے والے
ہمارے شہر کی آب و ہوا معینی ہے (۷۰)

تضمین بر کلامِ حضرت فاضل بریلوی کے صفحہ نمبر ۲۵ پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حضور میں کہتے ہیں:

ے تُو جو مائل بہ کرم ہو تو نہیں لگتی دیر
پھر ڈراتا نہیں انسان کو قسمت کا پھیر
غیر محدود ہے شاہا تری برسات کا گھیر
مزرعِ چِشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کِشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا (تضمینات)

کلیر شریف:

فیض نسبت میں منقبت بعنوان "بحضور مظہر جلالِ یزدانی حضرت خواجہ علاءُ الدین علی احمد صابر کلیری قدس سرہ" کے ہر شعر کی ردیف 'کلیر میں ہے' مقرر کی ہے، چند شعر پیش ہیں:

ے عاشقانِ ذات حق کا مدعا کلیر میں ہے
غوثِ اعظم کا سجیلا دلرُبا کلیر میں ہے
صابری میخانے میں بٹتی ہے عرفاں کی شراب
واقعی پینے پلانے کا مزا کلیر میں ہے
ہر نفس دِل پر اَلَم نَشْرَح ہوئے جاتے ہیں راز
معرفت کی ایسی پاکیزہ فضا کلیر میں ہے
جلوہ گر ہیں کاکیؒ و گنج شکر، سلطانؒ ہند
دہلی و اجمیر کا روشن دیا ، کلیر میں ہے

القاباتِ اولیاءاللہ:

"قصیدہ رزمیہ در مدحِ عراق" کے عنوان سے "عرشِ ناز" میں سرزمینِ عراق کے نام لکھتے ہیں:

ہوئی حیات بسر جن کی علم و عرفاں میں
جو یادِ حق میں رہے بِالعَشِی وَالاِبکَار
آئمہ و علماء و مشائخ و فُقہاء
عوارف و صلحاء و عوابد و ابرار

اسماءِ اَولیاءِ کرام/صوفی شعرائ:

مندرجہ بالا نظم میں ہی اسماءِ اولیاءِ کرام کا شاعری میں استعمال کرتے ہیں:

حسینؓ و کاظمؒ و عباسؓ و حیدرؓ و مسلمؓ
ابو حنیفہؒ و حلّاجؒ و یوسفؒ و قصارؒ
جنیدؒ و سقطیؒ و معروفؒ و ادھمؒ و احمدؒ
شہابؒ و شبلیؒ و پیرانِ پیر قطبِ مدار

عرشِ ناز میں ہی نظم "عظمتِ عقلِ انسانی" میں رقمطراز ہیں:

غالبؔ و مومنؔ و فردوسی و میرؔ و سعدیؔ حافظؔ و رومیؔ و عطار و جنیدؒ و شبلیؒ
خسروؔ و جامیؔ و خیامؔ و انیسؔ و عرفیؔ، آدم و یونس و یحییٰ و نبی اور ولی (۱۷)
ان کی گفتار کی پرواز کی سرحد تُو ہے
غایتِ جُنبش لب ہائے محمد ﷺ تُو ہے

تصوف وسلوک کی اصطلاحات اور شاعری میں ان کا استعمال ہمہ پہلو اور بے حد وسیع موضوع ہیں۔ تصوف و شاعری ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پیر

صاحب کی تصانیف بالخصوص شاعری پڑھ کر اُن کی شخصیت، لیاقت، علمی حیثیت، اہلیت اور طبیعت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔فقہ، تصوف، شاعری اور عصری مسائل پر انہوں نے جو کچھ لکھا اور جس موضوع پر بھی لکھا، بقدرِ استطاعت انصاف کرنے کی کوشش کی۔ مباحث تصوف و سلوک جو کہ اُن کی شاعری کا اہم جزو ہیں، اُن کی تخلیقی، فکری صلاحیت کے ساتھ ساتھ اسلاف کی روایات کے بھی آئینہ دار ہیں۔

تصوف کے مباحث، مخصوص اصطلاحات، سلاسلِ تصوف، صوفیاء کے مراتب اور صوفیاء کرام کے اسماء کا ذکر اُن کے مناقب، نظموں، تصیمنات وغزلیات غرض ہر صنف شاعری میں بھرپور اور واضح طور پر موجود ہیں۔ انھوں نے عقائد اسلام اور پایۂ اخلاق کے شایانِ شان اسلامی تعلیمات کی وضاحت کی ہے۔ شاعر ہفت زبان نے ہر زبان میں ایسے رواں اور شستہ اظہار خیال کیا ہے گویا وہی اُن کی مادری زبان ہے۔

حوالہ جات

۱۔ طارق حبیب، ذکرنصیر، مختصر تعارف پیرسید نصیرالدین نصیر گیلانیؒ مشمولان: طلوعِ مہر، اسلام آباد، ۱۴۳۰ھ، ج۱۰، شمارہ نمبر۲، ص ۴۴-۸۶

۲۔ علی بن عثمان ہجویری، داتا گنج بخش، کشف المحجوب، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ئ ص ۶۶۵

۳۔ نصیرالدین نصیرؒ، دستِ نظر، گولڑہ، اسلام آباد: مہریہ نصیریہ پبلشرز، ۱۴۳۳ھ، ص ۱۹۶

۴۔ نصیرالدین نصیرؒ، پیمان شب، گولڑہ، اسلام آباد: مہریہ نصیریہ پبلشرز، ۱۴۲۰ھ، ص ۲۸۲

۵۔ محمد توصیف حیدر، کلام نصیر (مرتبہ)، فیصل آباد: چشتی کتب خانہ، ۲۰۱۲ئ، ص ۲۰

۶۔ ایضاً، ص ۹۰

۷۔ محمد ذوقیؒ شاہ، سید، سرّ دلبراں، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۸ء، ص ۱۶۳

۸۔ علی بن عثمان ہجویریؒ، کشف المحجوب، ص ۶۶۰

۹۔ نصیرالدین نصیرؒ، سید، دستِ نظر، ص ۹۷

۱۰۔ علی بن عثمان ہجویریؒ، کشف المحجوب، ص ۶۶۱

۱۱۔ نصیرالدین نصیرؒ، سید، دستِ نظر، ص ۱۶۹

۱۲۔ نصیرالدین نصیر، پیمانِ شب، ص ۲۳۶

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۷۶

۱۴۔ ایضاً: ص ۱۹۵

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۸۳

۱۶۔ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ص ۶۶۴

۱۷۔ پیرسید نصیرالدین نصیر، دستِ نظر، ص ۲۰۵

۱۸۔ نصیرالدین نصیر، دیں ہمہ اُوست، اسلام آباد: مہریہ نصیریہ پبلشرز، ۱۴۲۰ھ، ص ۳۰۷

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۰۹

۲۰۔ پیرسید نصیرالدین نصیر، پیمان شب، ص ۲۷۸

۲۱۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین، لاہور: شبیر برادرز، ۱۴۳۲ھ، ص ۸۲۶

۲۲۔ پیر سید نصیر الدین نصیر، دین ہمہ اوست، ص ۱۲۰،
۲۳۔ ابونصر سراج طوسیؒ اللمع فی التصوف، مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۴۰۶ھ، ص ۸۶
۲۴۔ قشیری، عبدالکریم بن ھوازن، رسالہ قشیریہ، مترجم: مفتی محمد صدیق ہزاروی، لاہور: مکتبہ اعلیٰ حضرت، ۱۴۳۰ھ، ص ۲۳۸
۲۵۔ نصیر الدین نصیر، پیر، پیمان شب، ص ۴۷
۲۶۔ ایضاً، ص ۷۰
۲۷۔ ایضاً، ص ۴۲
۲۸۔ سید محمد ذوقی، سّرِ دلبراں، ص ۳۲۰
۲۹۔ نصیر الدین نصیر سید، پیمان شب، ص ۱۸۱
۳۰۔ ایضاً، ص ۹۰
۳۱۔ سید نصیر الدین نصیر، دیں ہمہ اوست، ص ۹۱
۳۲۔ سید نصیر الدین نصیرؔ، پیمان شب، ص ۳۱
۳۳۔ ایضاً
۳۴۔ قشیری، عبدالکریم ھوازن، رسالہ قشیریہ، ص ۳۲۶
۳۵۔ سید نصیر الدین نصیرؔ، پیمان شب، ص ۲۲۴
۳۶۔ سید نصیر الدین نصیرؔ، تضمینات برکلام احمد رضا خاں بریلویؒ، اسلام آباد: مشمولہ طلوعِ مہر، ص ۲۵
۳۷۔ پیر سید نصیر الدین نصیر، فیضِ نسبت، ص (www.tajdaregolra.com۳۵)
۳۸۔ پیر سید نصیر الدین نصیر، دست نظر، ص ۲۹۲
۳۹۔ ابونصر سراج طوسیؒ، کتاب اللمع فی التصوف، ص ۳۲۳
۴۰۔ سید نصیر الدین نصیر، فیض نسبت، ص ۳۴
۴۱۔ ابونصر سراج، اللمع فی التصوف، ص ۶۷
۴۲۔ سید نصیر الدین نصیر، دیں ہمہ اوست، ص ۱۰۰
۴۳۔ سید نصیر الدین نصیر، پیمان شب، ص ۲۸
۴۴۔ عبدالکریم قشیری، رسالہ قشیریہ، ص ۱۶۳
۴۵۔ نصیر الدین نصیر، سید، رنگ نظام، www.tajdaregolra.com، ص ۱۱

۴۶۔ سیدنصیرالدین نصیر، دست نظر، ص ۲۰۶

۴۷۔ سیدنصیرالدین نصیر، دین ہمہ اُوست، ص ۲۸۶

۴۸۔ سیدنصیرالدین نصیر، عرشِ ناز، اسلام آباد: مہریہ نصیریہ پبلشرز، ص ۱۲۰۔۱۲۱

۴۹۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، غُنیۃ الطالبین، ص ۸۰۹

۵۰۔ سیدنصیرالدین نصیر، پیمان شب، ص ۱۳۱

۵۱۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، غنیۃ الطالبین، ص ۸۰۸

۵۲۔ سیدنصیرالدین نصیر، پیمان شب، ص ۱۸۸

۵۳۔ سیدنصیرالدین نصیرؔ، پیمان شب، ص ۱۸۸

۵۴۔ امام محمد غزالیؒ، احیاء العلوم، مترجم: محمد فیض احمد اویسی، لاہور: شبیر برادرز، ۱۹۹۸ئ، ج ۳، ص ۴۳۔۴۴

۵۵۔ سیدنصیرالدین نصیر، دست نظر، ص ۶۹

۵۶۔ الزمر: ۶:۷

۵۷۔ سیدنصیرالدین نصیر، دین ہمہ اوست، ص ۱۷۹

۵۸۔ ایضاً، ص ۱۷۷

۵۹۔ سیدنصیرالدین نصیر، راہ ورسم منزل ہا، اسلام آباد: مہریہ نصیریہ پبلشرز، طبع دوم، ۲۰۰۰ئ، ص ۴۸

۶۰۔ سیدنصیرالدین نصیر، پیمان شب، ص ۲۳۶

۶۱۔ ایضا، ص ۱۸۱

۶۲۔ سیدنصیرالدین نصیر، فیض نسبت، ص ۱۲

۶۳۔ ایضاً، ص ۴۱

۶۴۔ عرشِ ناز: ص ۱۱۶

۶۵۔ پیمان شب: ص: ۱۰۹

۶۶۔ فیض نسبت: ص ۲۳۴

۶۷۔ عرشِ ناز: ص ۱۱۶

۶۸۔ فیض نسبت: ص ۲۱۴

THE INVESTIGATIVE SYSTEM OF ISLAM

Hafiz Ataa Ul Mustafa*

ABSTRACT:

The Holy Prophet (PBUH) was sent to establish justice. He made use of law and good conduct to achieve this great target. Complete investigation and transport exploration is of universal value that holds fundamental significance in law system. This article presents insight, broadness and transparency of investigatory system established by the Prophet (PBUH). It also highlights rules and laws in the light of valid research references. All these features are evident in Prophet's personality. In this regard, keeping in view the nature of topic, the guidance has been sought from the commands of The Quran, Hadith and different incidents of the life of Muhammad (PBUH). A discussion has been premeditated to explore Prophet's tactics regarding law of investigation. The Holy Prophet (PBUH) has given us the rules and principles for the recognition of real culprit of good judgement, clues and witnesses.

Investigative departments are radically important for the protection of Islam, maintenance of peace, internal stability and the protection of life, honor and property of people living in the society. The charter of these agencies is to abolish oppression, establish justice, impose the writ of law and punish the guilty, so that the lawbreakers can be brought within the grip of law. The officer who performs the above duties is known as *Naazir e Jaraaim*[1] in Islamic jurisprudential terminology. Further duties which fall within the remit of this officer are Investigation of charges, production of the accused before a court of law, getting proven criminals sentenced by the court, executing the sentence handed down, releasing the accused in case evidence is not sufficient and getting wrongful accuser punished properly.

---

* Ph. D. Scholar, Session 2014-2017

Quranic Injunction:

Hazrat Sulaiman (A.S) was annoyed at the absence of the woodpecker. When it told him the reason of its absence and informed him about Queen Saba, he said that He will soon see whether it had told the truth or is among the liars.[2]

Sometimes, an oath can also be used to settle matters of accusation and counter accusation.[3] When the Queen of Egypt accused Hazrat Yousuf (A.S) we get methods of investigation from the Holy Quran.[4]

Proper investigation and arrival at the correct inference requires God-given talent and intelligence. This ability is only gained as a result of TAQWA. Allah Taa'la has said:

''If you adopt taqwa, Allah shall give you the power to discriminate and shall erase your shortcomings.''[5]

Sayyiat means evils which mutilates appearances and distorts meanings.[6]

This means that, because of *taqwa*, Allah shall grant humans such insight and intelligence that all shall improve instead of deteriorating. Investigation needs insight and intelligence. Therefore, it is necessary for the investigator to adopt *taqwa*.

According to Ameen Ahsan Islahi's exegesis of the above verse, *Furqan* means the power to discriminate between Right and Wrong.[7]

This power to discriminate may be internal or external. It may be a mental faculty, circumstance or set of circumstances or even an event or events.

Molana Maudoodi writes that if you have the fear of Allah in your heart, your insight itself will tell you the difference between the correct and the wrong path.[8]

Pir Karam Shah has also explained the meaning of *Furqan* as the power to discriminate between Right and Wrong.[9]

In *Tafseer-e-Mazhari*, the meaning of *Furqan* is explained as:

''The insight of your hearts by which you distinguish between Right and Wrong.''[10]

Mufti Muhammad Shafi has explained *Furqan* as "good counsel" and "enlightened heart."[11]

The same meaning of *Furqan* has been given in *Tafseer-e-Majidi*.[12]

Pronouncing judgment without investigation and research is an inclination of the Devil.

Allah says:

"During a journey or *jihad*, if a stranger greets you with *salaam*, properly check whether he/she is a Muslim or not.[13]"

Shah Abdul Qadir has also translated it in the same way.

It is also a known fact that The Holy Prophet PBUH had a properly organized team for investigation and research. The ability to investigate and research has been considered a gift of Allah. Allah says:

"O ye faithful, when you set out for *jihad*, investigate well beforehand and whoever greets you first with *salaam*, consider him not a *non-momin*."

This verse makes it clear that before acquitting or sentencing an accused, it is compulsory to investigate and research thoroughly. *Tafseer-e-Haqqani* also gives the same translation.[14]

Maulana Shabbir Ahmad Usmani also writes under this verse:

"And when they hear any thing concerning hope or fear, they spread it without any verification.[15] If they took such information to the Messenger of Allah and the discerning elders of their people, the knowing ones would verify it properly. Had you not been blessed by the kindness and grace of Allah, excepting a few, most of you would have followed the Devil.[17]"

Mufti Shafi writes that muslims should not take any action only on the basis of whims. No action is justified without proper investigation and research.[18]

Maulana Islahi writes that action should be taken after proper investigation and research.[19]

Maulana Maudoodi writes that facts can only be obtained by investigation[20].

An important element of investigation is the gathering of evidence about an occurrence, an examination of the place of occurrence[21]. Facts about the group and network of the criminals can only be gained by investigation. Provision of evidence by a bonafide officer is called investigation[22].

Conditions and circumstances surrounding an event become the basic element of investigation. It is the saying of The Holy Prophet PBUH:

"Allah condemns folly, therefore be wise and sagacious"[23].

Investigating Officers of the Holy Prophet PBUH:

The Holy Prophet PBUH appointed Hazrat Anas bin Ishaq as an investigative officer in case of adultery[24]. Hazrat Bra bin Aazib narrates that the Holy Prophet PBUH sent Abu Barda bin Nir to investigate a case where a man had allegedly married his own widowed step-mother. After proper investigation, The Holy Prophet PBUH sent Abu Barda to behead the man[25].

Abu Muawiyya Qarra was also appointed as an investigation officer in another case. Ibn Sharjeel took some fruit from an orchard in Madina without the permission of the owner. The owner stripped him half naked and inflicted violence on him. Ibn Sharjeel complained to the Holy Prophet PBUH who sent a team to arrest the perpetrator who was admonished by the Holy Prophet and ordered to return the clothes of Sharjeel[26].

A study of the books on the traditions and examples of the Holy Prophet reveals the following basic principles of investigation:

Investigation by Medical Report:

There is guidance in the Ahadith for better investigation, before sentencing. When the adultery case of Ma'az bin Malik came up in the court of the Holy Prophet PBUH. He discarded the confession of guilt and asked the tribe of Ma'az about it. They said that they saw no mental infirmity[27] in him.

The Holy Prophet PBUH also inquired whether Ma'az bin Malik was under the influence of wine. One of the ones gathered there smelt the breath of the person and reported the absence of any aroma of wine. There is always a possibility that an accused might make a confession under the influence of some mental infirmity[28].

The Observance and Application of Legal Provisions during Investigation:

It is noteworthy that the Holy Prophet PBUH gave complete consideration to every clause of the law during an investigation to fulfill every requirement of justice. When a Jewish man and a Jewish woman were brought before him in a case of adultery, the Holy Prophet asked them about the punishment of this crime according to the Torah in their religion. The man replied that it was a public blackening of the face. The Holy Prophet asked him to read from the Torah. The man did it while hiding the section of *rajm* with his hand. Consequently, the Holy Prophet PBUH called Hazrat Abdullah bin Salaam who asked the Holy Prophet to order the man to remove his hand from the pertinent text. Hence, the sentence of *rajm* was passed[29]. This is the basic spirit of *Furqan* which enabled the proper cognizance, investigation and just judgment to be passed.

Affidavit of the Accused Party:

Once the Holy Prophet saw that a Jew's face was blackened and he was being lashed. The Holy Prophet asked a Jew whether this was the proper punishment for adultery in Judaism. The Jew replied that it was. The Holy Prophet asked him formally while invoking the name of Hazrat Musa PBUH. The Jew told the truth while admitting that the formal question had bound him to the factual reply[30]. This shows the importance of an affidavit from the accused party.

Wisdom of the Investigation System:

The majority of the human race is afflicted with selfishness, narcissism, false accusation, gossip and negative criticism. The system of investigation laid down by the Holy Prophet ensures that human beings are shielded from their own negative trends. A

simple accusation by one person should not be enough to sentence an accused. If this is allowed to happen, society will always remain fraught with crimes and injustice. The Holy Prophet said:

> ''If people are awarded according to their claims, they would lay claim even to the lives and properties of one another.''[31]

This means that if every claim is entertained without due process of investigation by law, no *one's* life, property and prestige would be safe. This golden rule of investigation stems from the graciousness of the Holy Prophet PBUH. At that time, physical torture and false promises were not made to an accused. Rather, the facts were ascertained by wisdom and God-given insight.

Once Hazrat Safwan bin Umayya accused a person of stealing his sheet and brought him before the Holy Prophet. The man confessed to the crime. The Holy Prophet told those were present to take the man away and cut off his hand.[32] This shows that the sentence is not to be executed in the court.

The Difference between a Simple minded Complainant and a Glib Accused:

The Holy Prophet PBUH was always mindful of the fact that an investigative officer should not be influenced by the facile cunning of the accused. Rather, objective conditions and facts were kept in consideration. Similarly, the investigating officer was cautioned against allowing the ignorance or simple mindedness of any person to militate against the norms of justice.[33]

Consideration for the Human Shortcomings of an Honest Investigating Officer:

An exemplary investigating officer is never an angel to be free of normal human feelings. It is completely natural for a human being to make mistakes in spite of the best of intentions. Nobody is perfect and nobody is totally correct. In this regard, the Holy Prophet says:

> ''When an investigating officer makes a correct judgment through his *ijtihad* he will get double reward. If he makes a wrong decision through his *ijtihad*, he will get a single reward.[34]''

Training of Successful Investigating Officers:

It is incumbent upon a talented investigating officer to prepare others to follow in his footsteps so that his talent and ability do not depart with him when he is called by his Maker. The Holy Prophet PBUH gave invaluable guidance and counsel to those who were under his supervision. Two incidents illustrate this.

Hazrat Abu Huraira relates that the Holy Prophet PBUH said: Two women were going with their respective sons. A wolf came and carried away the son of one of the women. Both maintained that the wolf had carried away the other's son. Consequently, they brought the case before Hazrat Daud. He decided in favour of the older woman. They left and appeared before Hazrat Sulaiman bin Daud and related all to him. He told them to bring a knife so that he could divide the boy between the two women. The younger beseeched him not to do so and said that the child was the older woman's. He decided the case in favour of the younger one.[35]

The second incident is when the Holy Prophet said that one man bought land from another man. A pitcher of gold was then discovered under the earth. The buyer told the seller to take the pitcher as the buyer had paid only for the land and not the gold. The seller said that he had sold the land along with whatever was contained in it. Consequently, they took the case to a third man. The mediator asked them if they had children. One answered that he had a son and the other said that he had a daughter. The mediator told them to marry the two offspring together and spend the gold on them.[36]

These incidents were actually part of the training imparted to investigating officers.

Suspicious People to Be Kept Under Surveillance:

Anti-social elements always try to bring harm to society. The Holy Prophet PBUH always kept such elements under surveillance. This was mostly instrumental in pinpointing criminals. A Jew stoned a Muslim girl and snatched her ornaments. The injured girl was brought before the Holy Prophet. She was alive yet. The Holy Prophet questioned her about her attacker.

only nodded in the affirmative when he named the Jew. The Holy Prophet ordered to arrest the Jew and orders his head to be crushed between two stones.[37]

This shows that the Holy Prophet had a record of suspicious persons. This is why he put forward number of names for the injured girl to consider.

Investigation through Question and answer:

Muslim and Bukhari relate that a person brought the murderer of his brother before the Holy Prophet PBUH, Who asked the accused: ''Why did you murder him?'' He replied: I and that man were picking leaves from a tree when he cursed me. In anger, I hit him on the head with my axe and killed him.[38]

When Ma'az bin Malik committed adultery, the Holy Prophet PBUH said to him: "Is the information I have received about you true?" He asked in return: What information about me has reached you? The Holy Prophet said: "You have committed adultery with such and such a girl." He said: Yes, bring four witnesses.[39]

Then *rajm* was carried out on him by the command of the Holy Prophet.

Appointment of Deputy Investigating Officer:

The Holy Prophet heard the opinions of many Companions on the incident of Ifek. The words of Bukhari Sharif are: ''The Holy Prophet PBUH summoned Hazrat Ali and Hazrat Osama bin Zaid and consulted both of them.[40]" This proves that the senior investigating officer can consult his subordinates.

Consulting Women while Investigating Women:

Hazrat Ali suggested to the Holy Prophet PBUH that Hazrat Aisha's maid Baraira should be consulted. She testified to the purity of Hazrat Aisha.[41] This lays down the general principle that, in matters pertaining to women, ladies of impeccable credentials can be consulted as and when is necessary.

Investigation of Every Person Connected with the Incident:

During the abovementioned incident, the Holy Prophet said to Hazrat Aisha:

''Aisha such an information has reached me about you If you are innocent, Allah will reveal that shortly. If you are guilty, confess it and repent.''[42]

This shows the importance of questioning every person concerned with the incident.

Announcement of Result of Investigation:

When the Holy Prophet, Hazrat Ali, Hazrat Osama and Baraira had completed the investigation and the innocence of Hazrat Aisha was proved, the Holy Prophet announced the verdict from the pulpit thus:

''O Muslims, who shall visit retribution upon the accuser of my wife? By God I found my wife to be virtuous.[43]''

Impartial Investigation:

The Holy Prophet of God PBUH investigated cases without any bias, prejudice, or partiality. Once, there was a quarrel between a Muslim and a Jew and the former hit the latter with a stone. The Jew complained to the Holy Prophet about this. The Holy Prophet investigated the matter and admonished the Muslim to desist in future.

This incident illustrates the impartial investigation.[44]

Investigation regardless of social status and:

Investigation should be carried out without regard for the subject's eminence or status. The Holy Prophet investigated Hazrat Hatib bin abi Balta'a about the sending of a letter to the people of Mecca before the conquest of that city. During this investigation, the Holy Prophet did not let the subject's social standing become a factor in the investigation. This is the occasion when Surah al Mumtahinah was revealed.[45]

The Accused to be informed of all Consequences:

Hazrat Hatib bin abi Balta'a sent a woman named Sarah to Mecca with the aforementioned letter. The Holy Prophet sent Hazrat Zubair, Hazrat Ali and Hazrat Meqdad al Aswad to retrieve that letter. The carrier denied possession of the letter until she was threatened with disrobement.[46] This incident proves that,

during investigation, accused may be put under pressure to get appropriate results. In this regard, Abu Daud has included a chapter in the Kitab al Hadood. This shows that, during an investigation, a suitable remand of accused may be taken.

Inference from Clues and Evidence:

A hypocrite named Bashar bin Ubairuq stole a bag of flour from the house of Hazrat Rafa'a. The kitchen fire of the thief's house kept burning for an inordinate period and led the investigators to him. At first, he denied any wrongdoing, and then wrongly accused Labaid bin Sehl. Finally, he fled to Mecca after his guilt was proved.[47] This incident shows that observation of clues and evidence is an intrinsic part of the Holy Prophet's method of investigation.

Prohibition of Personal Insult to the Accused:

There should be no personal insult to the accused during and after the investigation, even if guilt has been proved. This is evidenced by the following:

Hazrat Abu Huraira relates that a drunkard was brought before the Holy Prophet who prescribed a spanking as punishment. When that had been carried out, some people told the perpetrator that Allah had debased him. The Holy Prophet forbade them to utter this saying that in doing so they were helping the devil.[48]

When Abdullah Hamaar drank wine some people invoked the curse of Allah on him. But, the Holy Prophet PBUH told them to desist, reminding them that he bore love for Allah and his Messenger.

When Hazrat Umar expressed reservations at the Holy Prophet's offering *Namaz-e-Janaaza* for a stoned woman, the Holy Prophet said that she had so much heartfelt contrition that it could be divided among seventy people of Madina and be enough for their salvation.[49]

Instruction in Methods of Investigation:

The Holy Prophet PBUH undertook to educate his followers in the methods of investigation so as to avoid a high rate

of litigation and consequent overburdening of the judicial system. Bukhari relates that a villager suspected his wife when a dark complexioned child was born to her. The Holy Prophet asked him about the color of one of his camels, and he replied that it was red. The Holy Prophet asked him if he had a brown camel, he replied in the affirmative. Then the Holy Prophet asked him about the pedigree of both the animals. The man replied that both the animals had the same pedigree. The Holy Prophet assured him that his child's complexion was also derived from its pedigree[50]. Hence, the wisdom of the Holy Prophet saved this family from litigious disaster.

Technique Instead of Torture:

The investigative methods of the Holy Prophet were based on wisdom rather than torture. Sometime before the Badr campaign, some Muslims spotted two suspicious individuals beside the Well of Badr. The Holy Prophet saw marks of violence. During the inquiry, the captors revealed that they had been beating the two up in order to find out the size of the army coming from Mecca. The Holy Prophet told them to desist and then asked the two men how many camels were being slaughtered for the advancing army. The replied nine and ten camels were being slaughtered on each alternating day. From this information, the Holy Prophet inferred that the Meccan army was between 900 and 1000 strong[51]. This wise method of investigation provided the Muslims with quality intelligence which enabled them to formulate a good battle strategy.

Detention of the Accused during Investigation:

A theft took place in the tribe of Kala'a and they suspected some people in this regard. Hazrat Numan bin Bashir detained the suspects for some days and freed them after investigation failed to turn up any evidence of their guilt. The accuser complained that they suspects had been freed without any third degree methods being applied. Numan bin Bashir said that violence could be justified if it succeeded in restitution of the accuser's loss. However, he added that, if such did not turn out to be the case, the accuser would have to undergo the same kind and amount of

violence. The accuser backed off remarking that this was the command of Numan bin Bashir. But, the latter informed him that this was, in fact, the command of Allah and his Prophet.[52] In the words of Nasai:

> ''The Holy Prophet detained an accused and released him later when the accusation proved false.''[53&54]

Consistent Standard of Investigation:

The Holy Prophet PBUH always decided cases wisely and expeditiously even during journeys and campaigns. On Shaban 5, AH, while returning from the campaign of Bani al Mustaliq, the great hypocrite Abdullah bin Abi said that respectable people like us will not let decadent people enter Medina.[55] The young Companion Zaid bin Arqam reported this to the Holy Prophet who inquired if the information was not a lie. Zaid swore that he had it with his own ears. The Holy Prophet again inquired whether there was any room for misunderstanding. Zaid said there was none. Then the Holy Prophet PBUH summoned Abdullah bin Abi and questioned him.[56] The hypocrite habitually swore wrongly but the Holy Prophet did not charge him. So, Allah mentioned Abdullah bin Abi's hypocrisy in Surah al Munafiqoon. Returning from the same campaign, Hazrat Umar's slave Jehjah Muhajir and Ansari Sanaan bin Wabra Janbi fell into an altercation over water. The Holy Prophet investigated the matter and found that Jehjah was at fault. Consequently, the Holy Prophet made a settlement between them.[57] This shows that the Holy Prophet was meticulous in his investigative methods both in peripatetic and settled conditions.

Investigation through Tracking:

During investigation, the Holy Prophet PBUH used to make use of the services of trackers too. The Bedouins of Arabia were great trackers. Consequently, when the tribals of Akl or Areena plundered and killed in the pastures of Medina, the Holy Prophet had them arrested by the use of trackers. Abu Daud states:

> ''The Holy Prophet PBUH sent a team of trackers after these people and these trackers apprehended them.''[58]

The Holy Prophet also used to keep a record of investigation. A Hadith of Nasai Sharif states that a woman used to borrow jewelry. Once, she did not return it. The Holy Prophet ordered the woman to repent and return the borrowed property. She did not heed this command even after repeated warnings. So, the Holy Prophet ordered that her hand be amputated.[59] The repeated warnings demonstrate that a record of the investigation was kept.

Exemption from Execution:

According to the investigative system of the Holy Prophet PBUH, sentence was carried out only if investigation proved that the convict did not belong to the class of people exempted from execution. The saying of the Holy Prophet means that three kinds of people are exempted from execution, a sleeper until he awakes, a mentally unfit person until he recovers, and a child until he grows up.[60]

The Criminal Procedure Code of Pakistan stipulates the lodging of a case under section 154 as every incident has its own aspects. As such there are no clear regulations for investigation. However, the practices and sayings of the Holy Prophet PBUH afford deep insights into these matters.

Desistance from Suspicion and Idealism:

The investigative process should be free of suspicion and idealism. The former hurts the reputation of virtuous people whereas the latter encourages wrongdoers. The Holy Quran states:

> ''O ye faithful, refrain from excessive speculation as some speculations are sinful'[61&62]

The Holy Prophet said:

> ''If you try to reach the hidden conditions of people you will ruin them, or at least, bring them near ruination[63].''

Hazrat Umar heard singing from a house and looked over the wall to censure the owner. The owner objected to Hazrat Umar's transgression into his home. Hazrat Umar admitted this transgression and elicited a promise from the owner to desist from sin in future.[64] The following prayer of The Holy Prophet can also be useful in making an investigation correct pure and

> ''O Allah, show us the truth as truth and teach us to follow it. Show us falsehood as falsehood and give us the fortitude to avoid it. O Allah, show us things as they really are.''[65]

Investigation through Testimony:

The investigation method of the Holy Prophet was based on true testimony. He always called for true testimony and condemned false testimony.[66][67] He never accepted the testimony of disreputable people neither that of a slave in favor of his master nor that of one enemy against another.[68] Once, he disallowed the *rajm* of an adulteress because there was no testimony against her.[69]

Conclusion:

The investigative system of the Holy Prophet PBUH was based on the fundamental principles of truth, justice, psychological considerations, objective conditions, oath, evidence, and testimony. It was necessary for the accuser to present evidence and the benefit of the doubt went to the accused. He was not only a sagacious judge but also an astute investigator as justice cannot be wished without incisive investigation. In the words of the Holy Quran:

> ''The person who inflicts cruelty will be punished by us and then he shall be presented before his God Who punish him grievously.[70]''

The towering personality of the Holy Prophet dominated judicial and executive processes of the time. But, the separation of judiciary and executive became seen in its embryonic form where the Holy Prophet PBUH investigated an accused, pronounced sentence and then handed him over to his officials.

He is a perfect role model for the investigative, judicial, and executive institutions of the modern Islamic State. It is also noteworthy that no other religious personality affords us complete and comprehensive record of investigative, judicial, and executive administration.

References:

1. Al-Mawardi Abual Hassan, Al-Ahkamus Sultaniah, Qairo, Egypt: Darul Qalm, 1984, Page 135
2. Al-Naml: 27
3. Al-Noor: 6-10
4. Al-Yousuf: 25-28
5. Al-Anfaal: 29
6. Abdul Rahman keelani, Mutradifaat Ul Quran, page # 206, Maktabah Al-Salam, Lahore.
7. Molana Ameen Ahsan Islahi, Tadabbur e Quran, 3/143, Faraan foundation, Lahore. 2009
8 Molana Modoodi, Tafheem Ul quran, 2/140, Idara Tarjaman ul Quran, Lahore.
9. Peer Karam Shah Al-Azhari, Zia Ul Quran, 2/143, Zia ul Quran Publications, Lahore.
10. Qazi Sana Ullah Panipatti, Tafseer Mazhari, 3/180, H. Sami Company, Karachi. 1985
11. Mufti Mohammad Shafi, Maarif ul Quran, 4/217, Idara Maarif ul Quran, Karachi. 2007
12. Molana Abdul Majid Darya Abadi, Tafseer Majidi, Page # 216, Pak Company, Lahore.
13. Al-Nisa: 94
14. Abu Mohammad Abdul Haq Haqqani, Tafseer Fath Ul Mannan, 2/192, Meer Muhammad Karkhana, Araam Bagh, Karachi. 1982
15. Molana Shabeer Ahmad Usmani, Tafseer Usmani, Page # 122, Taaj Company, Lahore.
16. Ibid
17. Al-Nisa: 83
18 Mufti Mohammad Shafi, Maarif ul Quran, 2/520, Idara Maarif ul Quran, Karachi. 2007
19. Molana Ameen Ahsan Islahi, Tadabbur e Quran, 2/363, Faraan foundation, Lahore. 2009
20. Molana Modoodi, Tafheem Ul quran, 1/385, Idara Tarjaman ul Quran, Lahore.
21. Ch. Shafaqat Ahmad DSP, Police, Jaraaim aur Tahqeeq, Page # 10-11, Coperative Book Company, Urdu Bazar, Lahore. 2004
22. Ibid Page 43-44
23. Abu Dawwod, Sunan Abu Dawood, Hadees # 231, Daar Ul Ishaat, Karachi. 3/81

24. Tirmizi, Kitab ul Ahkam, Maktabh Rahmaniah, Urdu Bazar, Lahore.
25. Tirmizi, Kitab ul Ahkam, Maktabh Rahmaniah, 1/701, Urdu Bazar, Lahore.
26. Ibn E majah, Sunan Ibn e Majah, Kitab ul Hudood, Maktabat Ul Ilm, Lahore. 2/168
27. Muslim, Kitab ul Hudood, Maktabat Ul Ilm, Lahore. 2/674
28 Ibid
29. Bukhari, Kitab ul Muharbain, Maktabh Rahmaniah, 3/712, Urdu Bazar, Lahore. 1996
30. AbuDawood, Sunan AbuDawood, Daar Ul Ishaat, Karachi. 3/80
31. Bukhari, Kitab ul Rehen, Maktabah Rahmaniah, 1/182, Urdu Bazar, Lahore. 1996
32. Nisaai, Dar ul Ishaat, Karachi. 3/330
33. Muslim, Kitab ul Aqziyah, Maktabat Ul Ilm, Lahore. 2/693
34. Tirmizi, Kitab ul Ahkam, Maktabh Rahmaniah, 1/687, Urdu Bazar, Lahore.
35. Muslim, Kitab ul Aqziyah, Maktabat Ul Ilm, Lahore. 2/701
36. Muslim, Kitab ul Aqziyah, Maktabat Ul Ilm, Lahore. 2/702
37. Nisaai, Kitab ul Qisaas, Karachi. 3/305
38 Muslim, Kitab ul Qasimah, Maktabat Ul Ilm, Lahore. 2/659
39. Muslim, Kitab ul Hudood, Maktabat Ul Ilm, Lahore. 2/673
40. Bukhari, Hadees ul Ifk, Maktabah Rahmaniah, 2/635, Urdu Bazar, Lahore. 1996
41. Bukhari, Hadees ul Ifk, Maktabah Rahmaniah, 2/635, Urdu Bazar, Lahore. 1996
42. Bukhari, Hadees ul Ifk, Maktabah Rahmaniah, 2/637, Urdu Bazar, Lahore. 1996
43. Bukhari, Hadees ul Ifk, Maktabah Rahmaniah, 2/636, Urdu Bazar, Lahore. 1996
44. Bukhari, Kitab ul Khosoomat, Maktabah Rahmaniah, 1/1012, Urdu Bazar, Lahore. 1996
45. Bukhari, Kitab ul Maghazi, Maktabah Rahmaniah, 2/685, Urdu Bazar, Lahore. 1996
46. Bukhari, Kitab ul Maghazi, Maktabah Rahmaniah, 2/685, Urdu Bazar, Lahore. 1996
47. Mufti Muhammad Shafi, Maarif ul Quran, 2/539, Idara Maarif ul Quran, Karachi. 2007
48 Bukhari, Kitab ul Hudood, Maktabah Rahmaniah, 3/686, Urdu Bazar, Lahore. 1996

49. Muslim, Kitab ul Hudood, Maktabat Ul Ilm, Lahore. 2/679
50. Bukhari, Kitab ul Muharbain, Maktabh Rahmaniah, 3/715, Urdu Bazar, Lahore. 1996
51. Dr. Muhammad Hameed Ullah, Khutbaat e Bahawalpur, Khutbah # 8, Page # 198, Publisher IUB 1988
52. Nisaai, Kitab ul Sarqah. 3/328
53. AbuDawood, Sunan AbuDawood, Kitab ul Hudood. 2/296
54. Nisaai, Kitab ul Hudood. 3/329
55. Al-Munafiqoon: 8
56. Ibn e Hisham, Seerah Ibn e Hasham, Page # 132, Dar ul Qalm, Qairo, Egypt. 1398 A.H
57. Molana M Idrees Kandhlwi, Seerat Ul Mustafa, 2/280, Idara Islamiyat, Lahore. 1998
58. Molana Modoodi, Tafheem Ul quran, 2/140,
59. AbuDawood, Sunan AbuDawood, Kitab ul Hudood. 3/292
60. Ibid 3/303
61. Al-Hujurat: 12
62. Molana Modoodi, Tafheem Ul quran, 5/87,
63. AbuDawood, Sunan AbuDawood, Kitab ul Adab. 3/467
64. Abubakr Muhammad bin Jafar, Makarim Ul Ikhlaq, Page # 180, Dar ul Qalm, Qairo, Egypt. 1385 A.H
65. Tirmizi, Kitab ul Adeyah, Maktabah Rahmaniah, Urdu Bazar, Lahore.
66. Bukhari, Kitab ul Shahadah, Maktabah Rahmaniah, 1/1110, Urdu Bazar, Lahore. 1996
67. Ibid
68. Tirmizi, Kitab ul Shahadah, Maktabah Rahmaniah, Urdu Bazar, Lahore. 2/88
69. Ibn E Majah, Sunan Ibn e Majah, Kitab ul Hudood, Maktabat Ul Ilm, Lahore. 2/387
70. Al-Kahaf: 8

A Journal of Students:
Department of Islamic Studies & Arabic

Quarterly

Justjoo

ISSN:2410-535X

Issue : 3 April-June 2015

**Govt. College University,
Faisalabad Pakistan**

۶۔ متن میں آنے والی آیاتِ قرآنی کے لیے Trad Arabic Bold اور احادیث یا دیگر عربی عبارات کے لیے Trad Arabic فونٹ استعمال کریں۔

۷۔ آیاتِ قرآنی پر مکمل اعراب لگائیں، احادیث پر بھی ضروری اعراب لگا ہوا ہو۔

۸۔ مضمون کے ساتھ لکھنے والے کا مکمل نام، کلاس بمعہ سیشن، رابطہ نمبر اور ای میل ایڈریس بھی لکھا جائے۔

حوالہ جات:

متن میں حوالے کے نمبر چھوٹی بریکٹ میں اردو اعداد (۱، ۲، ۳) کی صورت میں مسلسل لگائے جائیں اور حوالہ جات مضمون کے اختتام پر درج ذیل اسلوب کے مطابق لگائیں۔

۱۔ قرآنی آیت کا حوالہ: نام سورۃ: آیت نمبر مثلاً العلق:۵

۲۔ حدیث کا حوالہ: نام مؤلف، نام کتاب، مقام اشاعت: ادارۂ اشاعت، سن اشاعت، باب کا نام، رقم الحدیث مثلاً ابن ماجہ، محمد بن یزید قزوینی، السنن، ریاض: دار السلام، ۱۴۲۲ھ، کتاب الفتن، رقم الحدیث ۳۹۳۲

۳۔ بائبل کا حوالہ: کتاب کا نام، باب نمبر: جملہ نمبر مثلاً یوحنا۵:۲۶

۴۔ کتاب کا حوالہ: مصنف کا معروف نام، پورا نام، کتاب کا نام، ترجمہ کی صورت میں مترجم کا نام، مقام اشاعت، ادارۂ اشاعت، سن اشاعت، جلد نمبر (اگر ہو تو) صفحہ نمبر (سن اشاعت درج نہ ہونے کی صورت میں 'س ن' لکھیں۔)

مثلاً طحاوی، ابوجعفر احمد بن محمد، العقیدۃ الطحاویۃ، کراچی: مکتبۃ البشریٰ، ۲۰۰۷ء، ص ۱۵، ۱۶

۵۔ مجلّے کا حوالہ: نام مقالہ نگار، مقالہ کا عنوان، مجلہ کا نام، جائے اشاعت، جلد نمبر، شمارہ نمبر، صفحہ نمبر

مثلاً محمد ہمایوں عباس، ڈاکٹر، مولانا محمد حنیف ندویؒ اور ان کی تفسیر سراج البیان، مشمولہ: تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، مارچ ۲۰۱۴ئ، جلد: ۳۳، شمارہ ۱، ص: ۸۸

۶۔ کسی کتاب کا دوبارہ حوالہ: i۔ فوراً بعد آئے تو ایضاً لکھ کر صفحہ نمبر درج کر دیں۔ ii۔ اگر کچھ حوالوں کے بعد دوبارہ آئے تو اختصار ملحوظ رکھتے ہوئے مصنف اور کتاب کا نام لکھ کر صفحہ نمبر دے دیں۔

مثلاً i۔ ایضاً، ص ۲۰ ii۔ طحاوی، العقیدۃ الطحاویۃ، ص ۲۴

۷۔ کتاب کے نام یا مقالے کے عنوان کے نیچے خط کھینچا جائے، جیسا کہ درج بالا مثالوں میں ہے۔

۸۔ انگریزی میں ایضاً کے لیے Ibid اور ص کے لیے P لکھا جائے۔

ISSN:2410-535X

A Journal of Students:
Department of Islamic Studies & Arabic

ISSUE
3

2002
More Light

Govt. College University Faisalabad